قرآنی حقائق بیان کرنے والا

تعلیمی، تربیتی اور تبلیغی مجلّہ

الفرقان

نومبر ۱۹۷۱ء

سالانہ اشتراک

پاکستان — سات روپے

بیرونی ممالک بحری ڈاک — ۱ پونڈ

بیرونی ممالک ہوائی ڈاک — ۲ پونڈ

مُدیرِ مسئول

ابوالعطاء جالندھری

تبلیغ احمدیت زمین کے کناروں تک

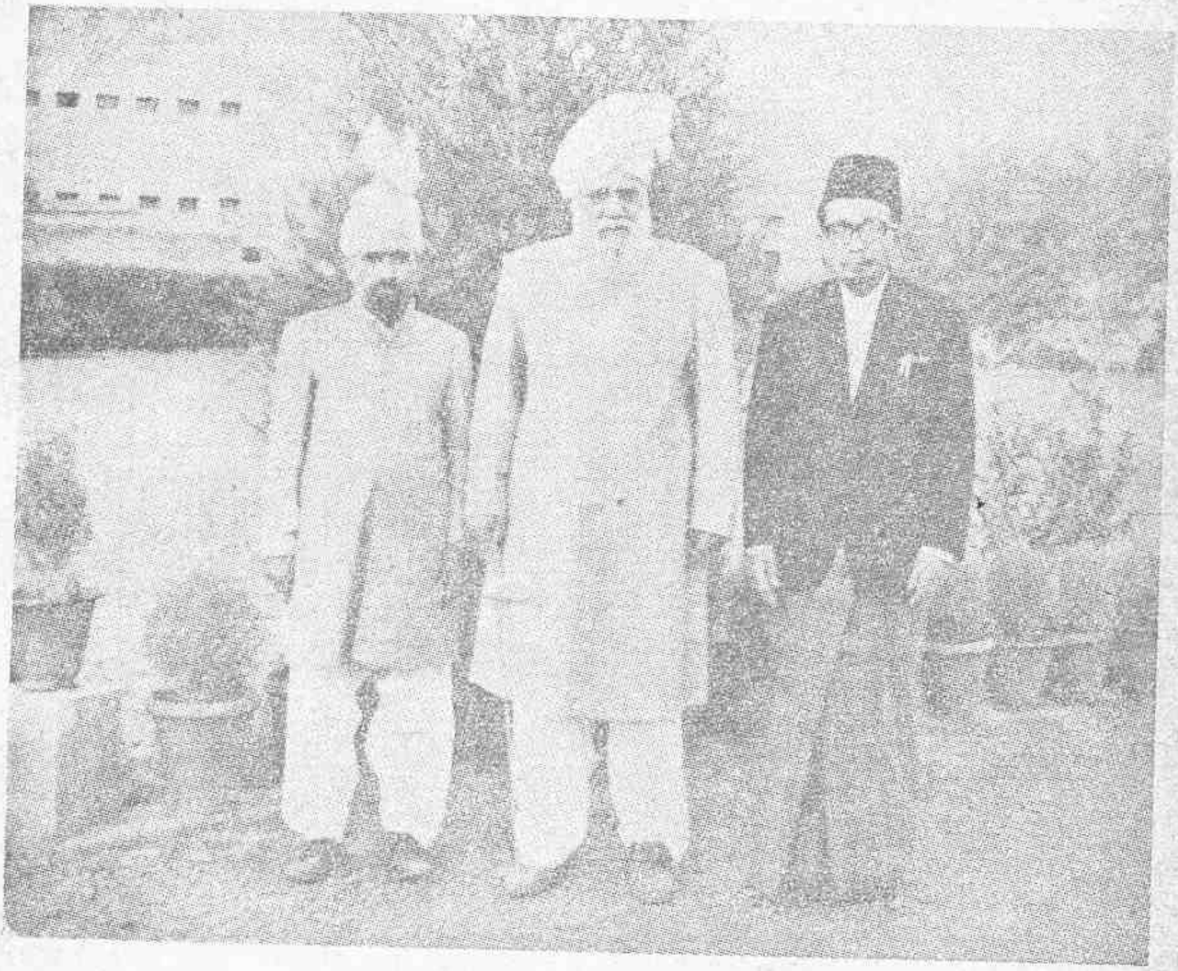

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز (درمیان میں) اور محترم جناب مولوی ابوبکر ایوب صاحب سماٹری مبلغ ھالینڈ حضور کے بائیں طرف تشریف فرما ھیں -
الحمد للہ سماٹرا کے رھنے والے عالم دین یورپ کے ملک میں تبلیغ اسلام کر رہے ھیں -
حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے دائیں جانب محترم جناب مولوی نسیم سیفی صاحب نائب وکیل التبشیر اور ایڈیٹر ماھنامہ تحریک جدید کھڑے ھیں -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲۱ شمارہ ۱۱	ماہنامہ الفرقان ربوہ نومبر ۱۹۷۱ء	نبوت ۱۳۵۰ ہجری شمسی رمضان ۱۳۹۱ ہجری قمری

تبلیغی و تعلیمی مجلہ

ماہنامہ

الفرقان

نومبر ۱۹۷۱ء

پنجسالہ معاونین

گزشتہ فہرست کے بعد مندرجہ ذیل احباب الفرقان کے پنجسالہ معاونین میں شامل ہوئے ہیں جزاھم اللہ خیراً۔

ایسکویڈرن لیڈر چوہدری محمود احمد صاحب باجوہ
۲۔ گلوب موٹر کمپنی ڈھاکہ
۳۔ الحاج مولانا محمد صدیق صاحب ایم۔اے امرتسری فجی
۴۔ چوہدری غلام احمد صاحب فیکٹری ایریا ربوہ

ضروری نوٹ

ماہ دسمبر ۱۹۷۱ء کا رسالہ یعنی آئندہ شمارہ الفرقان کا سالنامہ ہو گا۔ اس میں خاص مضامین کے علاوہ پنجسالہ معاونین الفرقان کی مکمل فہرست بھی شائع ہو گی انشاءاللہ۔ اگر آپ بھی اس میں شامل ہونا چاہیں تو چالیس روپے بھجوائیں۔ پانچ سال تک الفرقان بھی آپکے نام جاری رہے گا اور دعا کی بھی تحریک ہو گی۔ (مینیجر)

مقالات

● پاکستانی مسلمان اور افریقہ میں تبلیغ اسلام — ایڈیٹر — ص۲
● شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (نظم)
حضرت قاضی اکمل صاحب رضی اللہ عنہ مرحوم — ص۴
● پادری عبدالحق صاحب کے نام کھلی چٹھی ۲ — ابوالعطاء — ص۵
● حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک فارسی شعر کی منظوم ترجمہ
محترم جناب چوہدری شبیر احمد صاحب وکیل المال — ص۸
● سیدنا حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام "ربوہ" میں
محترم جناب مولوی دوست محمد صاحب شاہد — ص۹
● نُورٌ عَلٰی نُورٍ (نظم) — محترم جناب نسیم سیفی صاحب — ص۱۰
● حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی کے کارنامے
محترم جناب خان بشیر احمد صاحب رفیق امام مسجد لندن — ص۱۷
● تضمین بر کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام (فارسی نظم)
محترم جناب سید شاہ محمد صاحب آف کشمیر — ص۲۴
● اکابر علماء احناف اور انگریزی حکومت (ماخوذ)
(اخبار الاعتصام کے چند کارآمد حوالے) — ص۲۸
● سوانح حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ
محترم جناب صوفی محمد اسحٰق صاحب مبلغ افریقہ — ص۳۳
● انڈونیشیا سے ایک مخلصانہ مکتوب
(جناب صالح الشیبی مبلغ اسلام کا خط) — ص۴۳

پاکستانی مسلمان اور افریقہ میں تبلیغ اسلام

روزنامہ انجام کراچی کے دو اقتباس!

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو خیر اُمّۃ قرار دیا اور اسکی وجہ یہ بتائی۔ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ تم امر بالمعروف کرتے ہو اور نہی عن المنکر تمہارا شعار ہے۔ گویا تبلیغ دین مسلمانوں کا امتیازی نشان ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق ہر مسلمان کا فرض ہے کہ خود اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہو اور تمام بنی نوع انسان کو دعوتِ اسلام دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :-

والذی نفسی بیدہ لتأمرن
بالمعروف ولتنھون عن المنکر
او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم
عذاباً من عندہ ثم لتدعنہ ولا
یستجاب لکم۔ (الترمذی)

کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اے مسلمانو! تمہیں ہمیشہ نیکی کا حکم کرنا چاہئیے اور بدی سے روکنا چاہیئے ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب برپا کر دیگا پھر تم دعائیں بھی کروگے تو وہ قبول نہ ہونگی۔"

جب تک مسلمان اپنے فرض تبلیغ کو ادا کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت انہیں حاصل رہی اور وہ دین و دنیا میں ترقی کرتے رہے لیکن جب انہوں نے اس فرض کی ادائیگی سے غفلت اختیار کی وہ نکبت و ادبار کا شکار ہو گئے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا تنزل محض اسلام سے بیگانگت برتنے اور اسکی تبلیغ سے منہ پھیر لینے کے نتیجہ میں ہوا ہے اور اب بھی جب تک مسلمان بحیثیت قوم تبلیغ دین کو اپنا شعار نہیں بنائیں گے وہ ترقی کے راستہ پر قدم زن نہیں ہو سکتے۔ ؎

از رہِ دیں پروری آمد عروج نخست
بازے آید اگر آید ازیں رہ بالیقیں

جماعت احمدیہ کا قیام محض تبلیغِ اسلام کے لئے ہوا ہے عملی طور پر یہ جماعت اپنے روزِ اوّل سے یہ فریضہ باحسن وجوہ ادا کر رہی ہے۔ اس ملک میں بھی اور بیرونی ممالک میں بھی ایک منظم طریق پر دعوتِ اسلام کا کام جاری ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے افریقہ کے ممالک میں عیسائیت کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کے نہایت شاندار نتائج نکل رہے ہیں۔

روزنامہ انجام کراچی ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۱ء لکھتا ہے :-

(۱)

"بہت سے مغربی اور مشرقی ممالک افریقہ میں اسلام بسرعت پھیل رہا ہے اور اس کا سہرا پاکستانی مسلمانوں کے ہی سر ہے جو بڑے وسیع پیمانے پر افریقی مسلمانوں

کی فلاح و بہبود، تعلیم اور تربیت اور اشاعتِ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ مشرقی افریقہ کی نسبت مغربی افریقی ممالک نائیجیریا، غانا، سیرالیون، آئیوری کوسٹ، لائبیریا وغیرہ میں زیادہ سرعت سے کام ہو رہا ہے اور اسلام پھیل رہا ہے جہاں لاکھوں عیسائی، بُت پرست اور لامذہب حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں اور الف ننگے رہنے والوں نے اسلامی شریعت کے مطابق لباس پہننا شروع کر دیا ہے۔ سینکڑوں مساجد، بیسیوں سکول کالج ہسپتال کھل چکے ہیں۔ بعض مقامی زبانوں میں قرآن کریم، اہم احادیث، نماز وغیرہ کے تراجم ہو چکے ہیں۔

مشرقی افریقہ میں بھی متعدد مساجد سکول ہسپتال کھل چکے ہیں۔ بعض مساجد مثلاً ٹبورا کی مسجد کی عمارت اتنی عالیشان ہیں کہ دُور دُور سے لوگ انہیں دیکھنے آتے ہیں۔ مشرقی افریقہ میں کثرت سے بولی اور سمجھی جانے والی زبان سواحیلی میں قرآن کریم کا سب سے پہلا ترجمہ کر کے شائع کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے پاکستانی اسلامی مبلغین کو ہی عطا فرمائی۔ یہ ترجمہ اتنا مقبول ہُوا اور پسند کیا گیا کہ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ جومو کنیاٹا جو عیسائی ہیں جب صدر ہوئے تو پاکستانی علماء نے انہیں یہ ترجمہ پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ جب میں انگریزوں کی قید میں تھا تو قید خانہ میں ہی مجھے یہ ترجمہ ملا اور میں نے پڑھا۔ بڑا دلچسپ اور قابلِ قدر ہے دوبارہ اسے ضرور پڑھوں گا۔

انہی پاکستانی مبلغین کی مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ افریقہ کے مغربی اور مشرقی ممالک میں عیسائیت اب دم توڑ رہی ہے۔"

(۲)

"نائیجیریا کے شمالی علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے پاکستانی مسلمانوں نے کئی سکول کالج ہسپتال کھول دیئے ہیں جن سے کیا مسلمان کیا عیسائی اور کیا بدمذہب مشرک بہت فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ساری آبادی بلکہ وہاں کے سرکاری افسر، گورنمنٹ اور دوسرا پاکستانی مسلمانوں کی بے لوث خدمتِ خلق کے بے حد ممنون ہیں — اخبارات میں، ریڈیو اور ٹیلیویژن پر بھی انکی خدمات کا بارہا اعتراف کیا جاتا ہے۔ متعدد سکولوں کالجوں میں علاوہ مقامی اساتذہ کے بہت پاکستانی اُستاد ہیں۔ ہسپتال اور کلینک پاکستانی ڈاکٹروں نے کھول دیئے ہیں جو بڑے مقبول ہیں۔ ماہرین امراضِ چشم، دندان ساز بھی وہاں پہنچ چکے ہیں۔" (روزنامہ انجام کراچی ۴ر اکتوبر ۱۹۷۱ء)

ان اقتباسات کو پڑھ کر یقیناً ہر پاکستانی مسلمان کو خوشی ہو گی تبلیغِ اسلام کا یہ شاندار کام جماعت احمدیہ پاکستان کے ایثار پیشہ مبلغین، ڈاکٹر اور اساتذہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ جملہ مسلمان تبلیغِ اسلام کیلئے کمرِ ہمت کس لیں۔ علماء اور لوگوں کی غفلت و بے اعتنائی پر اخبار المنبر نے یوں خطاب کیا ہے کہ:-

"تبلیغ و اشاعتِ اسلام سے آپکی بے اعتنائی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ آج بلادِ مغرب ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں تبلیغ کے میدان پر احمدی حضرات قابض ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے علاوہ ان کے مبلغین ان علاقوں اور ان جزیروں میں اپنے مذہب (اسلام) کی تبلیغ کر رہے ہیں جن کا نام بھی ہمارے عربی مدارس کے اکثر طلباء نے نہیں سنا ہو گا۔ مثلاً فجی، ماریشس، ٹرینیڈاڈ، سیرالیون، نائیجیریا وغیرہ۔" (المنبر لائلپور ۱۶ر اپریل ۱۹۷۱ء صہ)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ

(حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؔ مرحوم کے قلم سے)

عزیزو! پھر آیا ہے ماہِ صیام
خداوندی رحمت کا لایا پیام
اسی میں ہے اِک لیلۃ القدر بھی
کہ فرمایا مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سلام

جو روزہ ہو دن کو تو شب کو قیام
حلال اپنے اُوپر بھی کرلو حرام
کلامِ الٰہی کا دن رات دَور
ہے اُسوہ نبیؐ کا یہی لاکلام

مزمّل مدثّر میں ہے یہ پیام
کمربستہ ہو جائیں مومن تمام
جہادِ کبیر اور اکبر کریں
مبشّر بنیں ہو کے اِک نیک کام

پادری عبدالحق صاحب کے نام کھلی چٹھی ۲

پادری صاحب پر اتمامِ حجت

ہمارا واضح اعلان

ماہنامہ الفرقان کے قارئین کرام گزشتہ شمارہ میں ہماری کھلی چٹھی بنام پادری عبدالحق صاحب ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ہم نے نہایت صراحت سے چاروں مجوّزہ مضامین پر تحریری مناظرہ منظور کر کے اعلان کر دیا ہے نیز نہایت معقول طریق پر فریقین کے لئے یکساں صورت حال کے طور پر اپنے اپنے مسلّمہ عقیدہ میں ہر مناظر کو مدعی تسلیم کر کے سات سات پرچوں میں مدعی کا پہلا اور آخری پرچہ قرار دیدیا ہے۔ ہر پرچہ کے لکھنے کا مساوی وقت تین تین گھنٹے مقرر کر دیا گیا۔ ہم نے تجویز کیا تھا کہ آئندہ پادری صاحب، ہماری اس کھلی چٹھی کا جو انہیں بصیغہ رجسٹری بھیجی جا رہی ہے براہِ راست جواب دیں" تا وقت بچ سکے اور باقی امور (وقت مناظرہ، تاریخ مناظرہ اور مقام مناظرہ وغیرہ) کا جلد فیصلہ ہو کر مناظرہ شروع ہو سکے۔ یہی بات محترم مدیر بدر نے پادری صاحب کو لکھ دی تھی۔

پادری عبدالحق صاحب کے جواب کا انداز

پادری عبدالحق صاحب اس چٹھی کے جواب میں اپنی بَرہمی کا اظہار کرتے ہوئے محترم جناب مدیر صاحب اخبار بدر قادیان کو ۲۷ راکتوبر ۱۹۷۱ء کو لکھتے ہیں:-

"ہم نے آپ کی وساطت سے ساری احمدی جماعت کو مناظرہ کا چیلنج دیا تھا اور اب تک آپ ہی سے خط و کتابت ہوتی رہی۔ بس آپ کے کسی خاص "محترم مولانا صاحب" سے ہماری خط و کتابت کرنے کا ذکر ہی بے محل ہے۔ آپ اگر جان بوجھ کر خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے ورنہ ہم آپ کو جتا چکے ہیں کہ آپ کے وہ "محترم" ربوہ میں بیٹھے اپنے مددگاروں کی بھیڑ اور قادیانی لٹریچر کے طوامیر کے سہارے اور یہاں ہم بے بسی کی حالت میں آخری قادیانی حربہ کو استعمال کر کے یعنی اصل بحث کو چھوڑ کر ہماری ذاتیات پر کیچڑ اُچھال کر کاغذ تو سیاہ کر سکتے ہیں لیکن وہ مساوی حیثیت کے مشروط تحریری مناظرہ میں ہمارے مقابل بیٹھ کر پرچے لکھنے کے لئے ہرگز آمادہ نہ ہوں گے۔"

درشت کلامی اور ذاتی حملے کون کرتا ہے؟

معزز قارئین! آپ دیکھیں کہ عیسائیوں کا یہ پادری شرائط طے کرنے کے وقت ہی کس تحریری انداز کو اختیار کر رہا ہے؟ اسے یہ احساس تک نہیں کہ مناظرہ میں فریقین کی مساوی حیثیت ہوتی ہے اور کسی پادری کو بھی اس قسم کی زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ غالباً پادری صاحب کو ۱۹۶۲ء کے الوہیت مسیح والے تحریری مناظرہ

کے علمی زخم پھر یاد آ رہے ہیں اسلئے وہ اپنی مخصوص چال استعمال کرکے آئندہ چار مضامین پر تحریری مناظرہ کرنے سے گریز کرنا چاہتے ہیں جس کا انشاء اللہ ہم انہیں حتی المقدور موقعہ دینگے۔

۱۹۶۲ء کے تحریری مناظرہ پر فاضل مدیر صدق جدید لکھنؤ نے بایں الفاظ تبصرہ کیا تھا:۔

"یہ مناظرہ موضوع الوہیت مسیح پر مولوی صاحب (ابوالعطاء صاحب جالندھری) موصوف اور ایک مسیحی مناظر پادری عبدالحق بینڈی گڑھ مشرقی پنجاب کے درمیان ہوا۔ پڑھے لکھے مسلمانوں کے پڑھنے کے قابل ہے۔ پادری صاحب کی تحریروں میں قدیم یونانی معقولات کی اصطلاحات کی بھرمار اور درشت کلامی اور حریف پر مسلسل ذاتی حملے نمایاں ہیں۔" (صدق جدید لکھنؤ بھارت ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء)

پادری صاحب کے لئے کوئی وجۂ انحراف نہیں ہے!

پادری صاحب کا ہمیں براہ راست جواب دینے سے انحراف انکی کسی معقولیت کی بناء پر نہیں کیونکہ یہ خط و کتابت محترم جناب مدیر بدر قادیان کے ایک نوٹ کے ان الفاظ پر شروع ہوتی ہے کہ "آج مسیحی پادری کسی احمدی عالم کے مقابل پر آنے کی جرأت نہیں کرتے اور نہ انکے پاس احمدیہ جماعت کے دلائل کا کوئی معقول جواب ہے" (بدر ۱۷ جون ۱۹۷۱ء)

اس پر مسیحی رسالہ ھما لکھنؤ کے ایڈیٹر صاحب نے فاضل مدیر بدر کو لکھا کہ "آپ براہ کرم کسی چوٹی کے احمدی عالم کا نام پیش کریں جس کے مقابل ہم کسی مسیحی پادری کو لاسکیں" (چٹھی ۲۴ رجون ۱۹۷۱ء)۔ اس کے جواب میں محترم ایڈیٹر صاحب بدر نے مدیر ھما کو مفصل خط کے ذیل میں لکھا کہ "اس کا واضح تجربہ ۱۹۶۲ء میں ہو چکا ہے جبکہ آپ کے پادری عبدالحق صاحب "رئیس المناظرین" ہمارے عالم محترم مولانا ابوالعطاء اللہ دتا صاحب جالندھری کے ساتھ شرائط طے کرکے اپنی اپنی جگہ سے دو دو پرچے لکھ چکے تھے پادری صاحب موصوف فرار اختیار کر گئے اور باوجود بار بار توجہ دلانے کے مناظرہ مکمل کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو سکے۔"

اس کے جواب میں مدیر ھما کی بجائے ایک اور پادری غیاث الدین صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے مدیر بدر کے نام اپنے خط میں ایک فقرہ یہ بھی لکھا کہ "آپ فرما رہے ہیں کہ پادری صاحب فرار اختیار کر چکے ہیں تو اب کیا گیا ہے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟" بطور جواب الجواب نہایت مدلل اور مفصل خط لکھتے ہوئے محترم مدیر بدر نے تحریر فرمایا کہ "لیجئے ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ جناب پادری صاحب کے نئے چیلنج کی حقیقت بھی معلوم ہو جائیگی دراں حالیکہ مولانا ابوالعطاء صاحب کا چیلنج جناب پادری صاحب کے لئے برقرار ہے جس کا جواب دینے پر ہی ان کی گلو خلاصی ہوگی"۔۔۔۔ اس مفصل مکتوب پر پادری غیاث الدین صاحب تو خاموش ہو گئے البتہ مورخہ ۹ ستمبر کو پادری عبدالحق صاحب نے براہ راست محترم فاضل مدیر بدر کو خط لکھا جس میں جماعت احمدیہ کو مسیحیت کے صدق و کذب کی جانچ کے لئے "فیصلہ کن مناظرہ" کی دعوت دی۔

پادری صاحب کے اس خط کے جواب میں فاضل مدیر بدر نے ہمارے شائع کردہ تحریری مناظرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مورخہ ۲۴ ستمبر کو پادری صاحب کو لکھا:۔

"محترم مولانا (ابو العطاء) صاحب نے شائع شدہ تحریری مناظرہ کے آغاز میں آج سے **نو دس سال قبل حضرت مسیح کی صلیبی موت پر** آپ سمیت تمام پادری صاحبان کو تحریری مناظرہ کا چیلنج دے رکھا ہے لہٰذا قبول کر کے محترم مولانا صاحب سے نپٹ لیں"

اس مرحلہ پر فاضل مدیر بدر نے جملہ خط و کتابت کی نقل مجھے بھجوا دی۔ خاکسار نے بطور "قصۂ مختصر" پادری صاحب کے چاروں مجوزہ مضامین پر تحریری مناظرہ منظور کر کے پادری صاحب کو کھلی چٹھی بذریعہ رجسٹری بھیج دی۔

اب پادری عبدالحق صاحب کا فرض تھا کہ وہ سنجیدہ مناظروں کی طرح معقولیت سے مجھے جواب دیتے لیکن انہوں نے جو انداز تحریر اختیار کیا ہے اس کا اقتباس قارئین مندرجہ بالا عبارت میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

پادری صاحب پر اتمام حجت

پادری صاحب کی ذات سے تو ہمیں کوئی خاص امید نہیں ہم انہیں مدت سے جانتے ہیں انہیں اسلام سے شدید بغض ہے۔ متعدد مقامات، قصور، سیالکوٹ، گجرات، عیسٰی میاں خاں اور خانیوال وغیرہ میں ان سے پبلک گفتگو اور مناظرے ہوتے رہے ہیں لیکن ہم بعض طالبان حق عیسائی صاحبان تک پیغام حق پہنچانے کی خاطر یہ سارا جتن کر رہے ہیں۔

ہم واضح الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں چاروں مجوزہ مضامین پر تحریری مناظرہ منظور ہے۔ کچھ معقول شرائط ہم ذکر کر چکے ہیں بقیہ امور کے لئے پادری صاحب کو خط و کتابت کرنی لازمی ہے۔ یاد رہے کہ مناظرہ میں ہر فریق دعویٰ اور دلیل کے لئے اپنی الہامی کتاب کو بنیاد بنانے کا پابند ہوگا۔

اب پادری صاحب ہم سے طے کر سکتے ہیں کہ یہ تحریری مناظرات بنڈی گڑھ میں ہوں یا حیدرآباد دکن بھارت میں ہوں یا امرتسر میں ہوں یا لاہور میں ہوں۔ جہاں بھی فریقین کو سہولت ہوگی اور قانونی اجازت حاصل ہوگی وہ مقام مناظرہ کے لئے مقرر کیا جا سکے گا۔ واضح رہے کہ جب تحقیق حق کے لئے فیصلہ کن تحریری مناظرہ مطلوب ہو اپنی انانیت اور اپنے غرور کا اظہار مدنظر نہ ہو تو یہ صورت ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ تاریخ مناظرہ بھی فریقین کی سہولت کے مدنظر مقرر ہو گی۔

اگر اب بھی پادری عبدالحق صاحب سیدھی راہ سے اور سنجیدگی کے ساتھ خط و کتابت کے لئے تیار نہ ہوں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی ہدایت ہے وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا

ہم اس کھلے مکتوب کے معقول جواب کا ۱۰ دسمبر ۷۱ء تک انتظار کریں گے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔

خاکسار

ابو العطاء جالندھری

۷/۱۱/۷۱ ربوہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک فارسی شعر کی منظوم تشریح

(محترم جناب چوہدری شبیر احمد صاحب بی۔اے)

؎ "امروز قومِ من نشناسد مقامِ من ٭ روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم"

میرے مقام سے ہے مری قوم بے خبر
مجھ کو کرے گی یاد وہ اک دن بچشمِ تر

سب جان لیں گے مہدیٔ آخر زماں ہوں مَیں
یاد آئیں گے گرہن زدہ شمس و قمر

کھُل جائے گا ہر ایک پہ شمشیر کا بھرم
جن کے خیال میں ہوں مَیں گمنام و بے ہنر

قومیں امان پائیں گی میرے حصار میں
جب فتنہ و فساد سے پُر ہوں گے بحر و بر

ہوگا جبینِ غیر پہ اک عرقِ انفعال
توبہ کرے گا صدق سے وہ میرے ہاتھ پر

مَیں ہی وہ خوش نصیب ہوں پہچان لیں گے سب
جس پر پڑی تھی سرورِ کونینؐ کی نظر

مجھ کو سلام بھیجا تھا میرے حبیبؐ نے
میرے ظہور کی بھی اُسی نے ہے دی خبر

کسرِ صلیب دیکھے گی دُنیا کہ ہو گئی
عالم میں لہلہائے گا توحید کا شجر

میری طرف رجوعِ جہاں ہوگا ایک دن
حق پُورے آب و تاب سے جب ہوگا جلوہ گر

امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ من
روزے بگریہ یاد کُند وقتِ خوشترم

ایک مختصر اور تحقیقی مقالہ

سیدنا حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام "ربوہ" میں

(محترم جناب مولوی دوست محمد صاحب شاہد کے قلم سے)

ہمارے قادر و توانا اور حکیم و خبیر خدا کی ازلی سنت ہے کہ اُس کی بعض پیشگوئیاں ناموں میں مخفی ہوتی ہیں مثلاً حضرت نوح (علیہ السلام) کے نام میں یہ خبر تھی کہ آپ کی عمر گریہ و بکا میں بسر ہوگی۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے معنوں میں بتایا گیا تھا کہ آپ قوموں کے باپ ہوں گے اور ہمارے آقا و مولیٰ سید الکائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آسمان پر محمدؐ رکھا گیا جس میں یہ پُرشوکت اعلان کیا جانا مقصود تھا کہ دُنیا و عقبیٰ میں خدا کے بعد سب سے بڑھ کر تعریف و توصیف اور مدح و ثنا نبیوں کے اس سردار اور رسولوں کے اس فخر کی بیان کی جائے گی جسے ربِ جلیل کے مقدس ہاتھوں سے محمدیت کا تاج پہنایا گیا۔

ٹھیک اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام جو مسیح رکھا گیا تو اس میں یہ پیشگوئی مضمر تھی کہ آپ کو پیغامِ حق اور اشاعتِ دین کی خاطر بہت سیاحت کرنا پڑے گی۔ چنانچہ لسان العرب اور تاج العروس (عربی لغات) میں لکھا ہے "سُمّی عیسٰی بمسیح لانّہٗ کان سائحاً فی الارض و لا یستقل" یعنی حضرت عیسیٰؑ کو مسیح کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ زمین میں سیر و سیاحت کرتے رہتے تھے اور کسی جگہ آپ کی مستقل بود و باش نہ تھی۔ یہی توجیہ حضرت امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے المفردات میں کی ہے اور دُنیائے اسلام کے نامور محقق علامہ حضرت محمد بن الولید فہری رحؒ نے سراج الملوک میں تو آپ کا نام ہی امام السائحین رکھا ہے یعنی سیاحوں کا امام۔ علاوہ ازیں حیدرآباد دکن کی اسلامی سلطنت کے مشہور فاضل مولانا ابوالجمال عباسی نے اپنی کتاب حکمت باللہ میں صاف لکھا ہے:-

> "حضرت مسیح ابن مریم کو بھی اسی مناسبت سے مسیح کہا گیا ہے کہ وہ ایک جگہ جم کر سکونت پذیر نہیں رہے بلکہ جب تک زندہ رہے

کبھی یہود کے خوف سے کبھی کسی
وجہ سے ہر طرف پھرا کرتے تھے۔"
(جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)

اس ضمن میں ایک عجیب اور دلچسپ بات ہمارے سامنے یہ بھی آتی ہے کہ معبرّین کے نزدیک اگر کوئی شخص خواب میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارت کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ سیاحت کرے گا۔

علم لغت اور علم تعبیر کی ان شہادتوں سے بڑھ کر "مسیح" کی سیاحت پر حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست شہادت ملتی ہے جس سے حضرت مسیح کے پر حکمت نام کی حقیقت و اصلیت بالکل واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسیٰ
اَنْ یّا عیسیٰ اِنْتَقِلْ مِن
مکانٍ الیٰ مکانٍ لِئَلّا
تُعْرَفَ فَتُؤْذیٰ۔
(کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ! ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف چلے جاؤ تاکہ لوگ تمہیں شناخت کر کے دبیے آزار نہ ہوں اور اذیت پہنچائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری

روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ:-

کَانَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ
یَسِیْحُ فَاِذَا اَمْسٰی اَکَلَ
بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَیَشْرَبُ
الْقَرَاحَ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۷۱)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سیاحت کیا کرتے تھے اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف سیر کرتے تھے اور جہاں شام پڑ جاتی جنگل کی سبزیاں کھاتے اور خالص پانی پیتے تھے۔

لغت، تفسیر اور احادیث نبوی کی روشنی میں اب آئیے قرآن مجید کی ایک نہایت پر حکمت، مختصر مگر جامع آیت پر غور کریں۔ قرآن عظیم میں لکھا ہے:-

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَ
اُمَّهٗۤ اٰیَةً وَّاٰوَیْنٰهُمَاۤ
اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ
وَّمَعِیْنٍ۔ (مومنون ع ۳)

اللہ تعالیٰ اس آیت میں سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے ایک اہم، طویل اور تاریخی سفرِ ربوہ کا انکشاف کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشان بنایا اور ان دونوں کو "ربوہ" یعنی ایک اونچی جگہ پر پناہ دی جو ان کے ٹھہرنے کے قابل اور بہتے ہوئے پانیوں والی تھی۔ یہ "ارض ربوہ" کونسی تھی جہاں حضرت

مسیح علیہ السلام اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام سمیت پناہ گزیں ہوئے؟ جہاں تک عہدِ حاضر کے اُن مسلمان علماء کا تعلق ہے جو مسیحی نظریات سے متاثر ہیں اُن کا خیال ہے کہ یہ مقام مصر تھا۔ اُن کے نزدیک حضرت مریم اور یوسف نجار رومی بادشاہ کے خوف سے حضرت عیسیٰؑ کو لئے ہوئے یروشلم سے مصر میں جا آباد ہوئے تھے اور حضرت مسیح کا بچپن اور زمانۂ شباب اسی ملک میں گزرا۔

لیکن اوّل تو جیسا کہ جناب مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے قصص القرآن جلد ۴ صفحہ میں اور جناب مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن جلد دوم میں تسلیم کیا ہے۔ یہ نظریہ صرف اناجیل اور دیگر اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ قصہ حدیث نبوی کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی و روحی) کے فرمانِ مبارک کے مطابق سفر کرنے کا حکم براہِ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا مگر اس افسانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر یوسف نجار یا حضرت مریم نے الہامِ الٰہی کے بغیر از خود اپنی مرضی سے کیا تھا۔ پھر تیسری اہم بات یہ بھی ہے اٰوٰی کا لفظ عربی زبان میں بہت بڑی مصیبت کے وقت پناہ دینے کے لئے مستعمل ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کا سب سے دردناک سب سے الم انگیز اور سب سے روح فرسا حادثہ اور سانحہ صلیب ہی کا واقعہ ہے۔ پس ان تینوں واضح اور ناقابلِ تردید قرائن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ بچپن کا کوئی واقعہ نہیں بلکہ حادثۂ صلیب کے بعد کا واقعہ مراد ہے اور وہ ربوۃ مصر نہیں تھا جو خود ہیرودیس (HEROD) کی عملداری میں شامل تھا بلکہ کوئی اور نہایت بلند و بالا سرسبز و شاداب چشموں والا ملک تھا جس کی طرف آپ کو دعویٰ نبوت کے بعد ہجرت کرنا پڑی چنانچہ "تفریح الاذکیاء فی احوال الانبیاء" کے مؤلف لکھتے ہیں:-

"پھر جب حضرت عیسیٰؑ نے معجزات دکھلائے اور آپ کو پیغمبر کہنے لگے تب یہود قتل کرنے پر مستعد ہوئے۔ ناچار حضرت عیسیٰؑ و مریم کو ہجرت کرنی پڑی" (جلد ۱ صفحہ ۲۱۷)

پھر لکھتے ہیں:-

"اور یہ خبر (معجزہ دکھانے کی مناقل) مشہور ہوئی۔ قوم یہود بھی مطلع ہوئی۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کی تلاش میں نکلے۔ تو آنحضرت [illegible] کی طرف بھاگے" (ایضاً جلد ۱ صفحہ)

حضرت مسیح علیہ السلام بیت المقدس (یروشلم) سے ہجرت کے بعد کہاں تشریف لے گئے؟ یہ محض تاریخی سوال نہیں بلکہ اسلام اور عیسائیت کی عظیم جنگ کا ایک فیصلہ کن مورچہ ہے جس کو کاسرِ صلیب

لہ ایک قابلِ غور نکتہ یہ بھی ہے کہ اٰوَیْنٰہُمَا تثنیہ کی ضمیر ہے مگر مفروضہ کہانی میں دو کی بجائے تین کا ذکر کیا جاتا ہے جو قرآن مجید کی نص صریح کے سراسر خلاف ہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنی کتاب "راز حقیقت" میں اور اس کے بعد اپنی بہت سی تصنیفات خصوصاً کتاب "مسیح ہندوستان میں" کے ذریعہ ایک حسابی صداقت کی طرح ایسا حل کر دکھایا ہے کہ اب کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ چنانچہ حضور نے مستند تاریخی واقعات و حقائق سے ثابت فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر وفات نہیں پائی بلکہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے نجات دیکر انہیں لعنتی موت سے بچا لیا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے فلسطین سے ہجرت کی تا اپنے [illegible] سے باہر ہو کر سکون سے زندگی گزار سکیں اور بنی اسرائیل کے پراگندہ قبائل کو ایک جگہ جمع کر سکیں پس آپ کشمیر پہنچے اور وہاں ہی سکونت اختیار کر لی۔ اسی کشمیر میں آپ نے وفات پائی اور اپنے بعض دوستوں کے پہلو میں محلہ خانیار میں دفن ہوئے۔ حضورؑ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں قبروں کے کتبے لکھنے کا رواج تھا اور میں اپنے علم کے بموجب یہ بات کہہ رہا ہوں کیونکہ عقل یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر ان آثار سے خالی ہوگی اور پھر قبر کو کھودا بھی جائے تو کئی عجیب و غریب اسرار بھی ظاہر ہوں گے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے اور منکروں کی جڑ کاٹ دے۔ (الھدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ صفحہ ۱۱)

اس عظیم الشان انکشاف نے دنیائے مسیحیت میں زبردست تہلکہ مچا دیا اور اب عیسائی نظریات میں ایک حیرت انگیز تغیر و انقلاب آ گیا ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں اپنی تحقیق شائع کی۔ چونکہ اس تحقیق کی براہِ راست کاری ضرب عیسائیت پر پڑتی تھی اور کفارہ اور الوہیتِ مسیح کے تراشے ہوئے بُت اس سے پاش پاش ہو جاتے تھے اس لئے اس نظریہ کی سب سے زیادہ مخالفت و مزاحمت بھی عیسائیوں ہی کی طرف سے ہوئی اور پادری اکبر مسیح نے تو غضبناک ہو کر اس کے رد میں لاہور کے رسالہ "ترقی" ۱۹۰۳ء میں بالاقساط ایک طویل مضمون لکھ ڈالا۔ اس مضمون میں جس کو مشہور مسیحی ادارہ "پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور" نے "تربتِ عیسوی یعنی ابطال مرزا" کے نام سے کئی بار شائع کیا۔ محلہ خانیار کی قبر کو محض چبوترہ اور فرضی قبر قرار دیا[1] نیز لکھا:

"اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ

---

[1] پادری سموئیل احمد حسن نے بھی اپنی پاکٹ بک "مسیحی حربہ" میں پادری اکبر مسیح کی اس کتاب سے استفادہ کر کے لکھا ہے "خانیار کا چبوترہ قبر نہیں"۔ نیز دیباچہ میں پادری اکبر مسیح کے علاوہ مشہور اہلحدیث عالم جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے "اس کتاب کی تالیف میں مسٹر اکبر مسیح و مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور دیگر اسلامی کتابوں سے بہت مدد لی گئی ہے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔"

مرزاجی کو عوام کی اس بات کا پورا یقین ہوگیا ہے کہ اس قبر میں خزانہ گڑا ہوا ہے اب آپ اور آپ کے چیلے اس قبر کے معتقد بن کر وہاں کے مجاور بننا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اس طرف سے غافل کرکے کہ خزانہ کا خیال باطل ہے اور یہ کہہ کر کہ تبرکے کے طور پر اس میں بعض چیزیں مدفون ہیں اس قبر کو ایسے ایسے حیلوں اور بہانوں سے کھدوا کر دیکھنا چاہتے ہیں تا کسی کو معلوم نہ ہو اور ایک گنج قارون ہاتھ لگ جائے اور اسی حرص و طمع میں آپ قرآن پر دام تزویر ڈال رہے ہیں۔"

(ضربت عیسوی صفحہ ۱۴۰ طبع دوم ۱۹۲۶ء)

پادری اکبر مسیح صاحب کے غیظ و غضب کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر مبارک نہایت شرمناک طریق، گستاخانہ طریق اور نہایت بازاری اور اوچھے انداز میں کرتے ہوئے یہاں تک لکھا:-

"سری نگر کی قبر کے متعلق مرزاجی کی کل بحث بنیاد فاسد علیٰ فاسد کا ایک عمدہ نمونہ ہے جس میں عقل و شعور کی بُو تک نہیں۔ آپ کے دلائل (اگر ایسے لچر پکوں کو یہ نام دیا جا سکے) ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ آباد کی برجستہ نظیر ہیں۔ بالکل اُسی قسم کی جن سے بعض عیار تکیہ دار جہلاء کے سامنے مشہور کر دیتے ہیں کہ فلاں مقام پر کسی ولی یا شہید کا مزار ظاہر ہوگیا تاکہ عورتیں منتیں ماننا اور چادریں چڑھانا شروع کر دیں۔ خانیار کا چبوترہ گویا جناب مرزاجی صاحب کی امامت اور مہدویت کی اساس ناسپاس ہے اور آپ کے سلسلہ کا نام اگر خانیاری رکھا جائے تو بہت ہی موزوں ہوگا۔"

(ضربت عیسوی صفحہ ۱۵۶)

خدا کی قدرت ابھی نصف صدی اس کتاب پر نہیں گزری کہ لاہور کی ریلیجس بک سوسائٹی نے ایک دوسرے پادری خورشید عالم کی ایک کتاب "بشارت الہند و پاکستان" شائع کی جس میں محلہ خانیار کی قبر کے متعلق جسے ان کے پیشرو پادری اکبر مسیح صاحب نے فرضی چبوترہ قرار دیا تھا یہ اعلان کر دیا کہ اس قبر کا عیسائیت سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اُن کے الفاظ یہ تھے:-

"وہ قبائل جو اب سرحد میں پائے جاتے ہیں ان کی پشت میں ایک مرتبہ مسیحی نور کی ضیا پاشی ہوئی ہے اور محلہ خانیار میں جو مزار عیسیٰ ہے اور عیسیٰ خیل یہ مقدس توما کی اس مہم کا ہی صحیح نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ عیسیٰ ایسو کا مترادف و معرب

لفظ ہے اور یہ نام اوّل عیسوی
میں عام مستعمل تھا۔" (ص۱)
گویا اب صرف یہ کہنا باقی
ہے کہ اس میں ہمارے یسوع
مسیح آرام فرما رہے ہیں۔

جہاں تک مسلمان علماء کا تعلق ہے اگرچہ اُن کا کثیر طبقہ ابھی تک اپنے گزشتہ اعتقاد پر پوری شدت سے ڈٹا ہوا ہے مگر خصوصاً مشرق وسطی کے علماء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیش فرمودہ تحقیق کے قائل ہوتے جا رہے ہیں چنانچہ مصر کی مشہور علمی شخصیت اور مفتی محمد عبدہ کے خاص شاگرد علامہ رشید رضا نے لکھا کہ فـفـرارهٗ الى الهند وموته فى ذلك البلد ليس ببعيدٍ عقلًا ونقلًا۔ (تفسیر المنار) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہندوستان میں ہجرت کر کے شہر سرینگر میں جانا اور وہاں وفات پانا عقل ونقل سے بعید نہیں ہے۔ اسی طرح عرب کے ایک اور نامور عالم و ادیب محمود عباس العقاد نے اپنی کتاب "حیات المسیح" میں قبر مسیح کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ عظیم الشان انکشاف ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

برصغیر پاک و ہند کے ایک عالم محمد جمیل احمد صاحب نے اپنی کتاب انبیائے قرآن جلد سوم ص۳۴۶ پر لکھا ہے کہ "اس قبر کے سلسلہ میں تاریخ اعظمی کا مصنف لکھتا ہے۔ لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں۔ وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا۔"

بالآخر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ قبر مسیح کی تعیین اور نشان دہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس پر گویا دنیا چڑھ گیا ہے اور نئے سے نئے آسمانی اسباب و تحقیقات مہر تصدیق کرتے جا رہے ہیں (جیسا کہ سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں بالتفصیل روشنی ڈالی گئی ہے)۔

اس شاندار کارنامہ کی عظمت و اہمیت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلّمہ اسلامی عقیدہ کے مطابق قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے جن میں سے غالباً صرف تیس بتیس (۳۲) نبیوں کا ذکر رب کریم کی آخری کتاب فرقان حمید میں ملتا ہے مگر ان میں تیس نبیوں میں سے بھی بعض مشہور ترین نبیوں کی قبروں کا مسئلہ آج تک سربستہ راز بنا ہوا ہے حتیٰ کہ حضرت شیخ محمد خذری رح کو لکھنا پڑا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کے مزار کی تعیین درست نہیں۔ اس ضمن میں حضرت علامہ عبد العزیز الپہاروی محدث ملتان نے اپنی کتاب کوثر النبی[1] میں بعض مثالیں بھی دی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر دراصل بیت المقدس کے باہر کسی اور بستی میں ہے۔ حضرت آدمؑ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ سراندیپ (لنکا) میں دفن ہیں مگر مجاہد رح اُن کی قبر مسجد خیف کے پاس مانتے ہیں اور مقاتل رح بیت المقدس میں بتاتے ہیں۔ مقاتل رح کی رائے میں

---

[1] اس کتاب کا قدیم اور مستند قلمی نسخہ خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔

مسجد حرام کے چاہ زمزم اور رکن یمانی کے درمیان ستر نبیوں کے مدفن ہیں جن میں حضرت ہودؑ اور صالحؑ جیسے ممتاز انبیاء بھی شامل ہیں۔ قبر نوحؑ کی نسبت عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ کوہ لبنان پر ہے مگر حضرت سخاویؒ اسے بے بنیاد قرار دیتے اور فرماتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی قبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے روضہ مبارک کے پہلو میں ہے۔ علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "تاریخ المدینہ" میں بروایت جابرؓ یہ حدیث لکھی ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کے بعد پہاڑ کے نزدیک نازل ہوئے۔ حضرت ہارونؑ نے یہیں انتقال کیا اور پہاڑ پر دفن کئے گئے۔ (کوثر النبی صفحہ ۵۶۵)

پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے شہرہ آفاق پیغمبر کی نسبت محققین میں آج تک یہ اختلاف چلا آتا ہے کہ آپ مکہ میں دفن کئے گئے یا فلسطین میں؟ (انوار انبیاء ص۶۶)۔ حضرت شعیبؑ کے بارے میں بھی قطعی طور پر کسی کو معلوم نہیں کہ اُن کی آخری آرامگاہ کہاں ہے؟ قبر یونسؑ کے بارے میں بھی مؤرخین اسلام آج تک کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے۔ عبدالوہاب نجار کا خیال ہے کہ آپ کا مزار مشہور فلسطینی شہر خلیل کے قریب ہے مگر دوسرے محققین کو اس میں اختلاف ہے اور وہ نینوا بتلاتے ہیں۔

غرض کہاں تک بتایا جائے، پوری اسلامی دنیا قرآن مجید میں مذکور چند انبیاء عظام علیہم السلام کی قبروں کی تعیین و تحقیق سے آج تک عہدہ برآ نہیں ہو سکی۔ اِن حالات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ زندہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ جس مسیح ناصری کی شان میں عیسائیوں نے اتنا غلو اور مبالغہ کیا کہ انہیں سچ مچ آسمان پر بٹھا دیا اور پھر حضرت علامہ ابن قیم کی رائے کے مطابق یہ عقیدہ اُمّتِ مُسلمہ میں داخل کرنے کی سازش کر کے لاکھوں فرزندانِ توحید بلکہ بعض مشہور علماء[1] کو بھی اپنے دامِ تزویر میں پھنسا لیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرزند جلیل نے نہ صرف اُس مسیح کی جائے پناہ ارضِ "ربوہ" کی نشان دہی فرما دی بلکہ اس کی قبر تک کا اللہ سے علم پاکر پتہ دے دیا۔

آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند
لطف کردی کہ ازیں خاک نمایاں کردی

كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ +

---

[1] مثلاً عماد الدین۔ کرم دین۔ نظام دین۔ الٰہی بخش۔ حمید اللہ خان۔ سید علی۔ عبداللہ بیگ۔ حسام الدین بمبئی۔ قاضی صفدر علی۔ عبدالرحمٰن۔ حسن علی وغیرہ۔ یہ لوگ جو پہلے مسلمان تھے اور مولوی کہلاتے تھے انگریزی عہدِ حکومت میں حلقہ بگوشِ عیسائیت ہو گئے تھے +

نورٌ علیٰ نور

(نتیجۂ فکر محترم جناب نسیم سیفی صاحب)

کچھ حقیقت ہے کچھ فسانہ ہے — زندگی موت کا بہانہ ہے
حرفِ آخر ہو "لن ترانی" کیوں — دید کا شوق بیکرانہ ہے
میرا میلانِ معصیت کاری — تیری رحمت کا اک بہانہ ہے
نورِ عرشِ بریں سے اُترا ہے — نور کا آج کیا ٹھکانہ ہے
پھیلتی جا رہی ہے ایک صدا — آسمانوں کا یہ ترانہ ہے
میرِ محفل کی بات ہی کیا ہے — اُس کی ہر بات دلبرانہ ہے
میرے اعدا ربھی کوئی کم تو نہیں — ان کا مدّاح گر زمانہ ہے
حُسن کا اُن کو کیوں نہ ہو احساس — میرا انداز عاشقانہ ہے
کون آتا ہے کون آئے گا! — یہ تصوّر کا شاخسانہ ہے
آدمی آدمی کا ہے دشمن — آدمیت تو اک فسانہ ہے

مانتے ہیں نسیم تجھکو لوگ
تیری ہر بات ساحرانہ ہے

حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامے[1]

(از محترم خان بشیر احمد صاحب رفیق سابق امام مسجد لندن)

بارھویں صدی ہجری کا آخر عالم اسلام پر عموماً اور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بالخصوص روحانی لحاظ سے تاریکی کا دور تھا۔ ہندوستان میں مسلمان مختلف قسم کی بدعات اور مشرکانہ رسومات میں مبتلا تھے۔ قبر پرستی انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ قبروں پر سجدے کرنا، مُردوں سے دعائیں مانگنا، قبروں کو چُومنا، نذریں ماننا اور چادریں چڑھانا، قربانیاں دینا اور طواف کرنا، گانا بجانا اور میلے لگانا، غرض کوئی ایسی بدعت نہ تھی جو قبروں پر نہ کی جاتی ہو۔

ہندوانہ رسومات مثلاً نکاح ثانی کی حرمت، ذات پات کی تمیز برہمنوں سے بڑھ کر مسلمانوں میں داخل ہو چکی تھی۔ ہندوؤں سے متاثر ہو کر اوہام پرستی بھی مسلمان معاشرہ کا حصہ بن گئی تھی۔ اکثر صوفیاء کی غلط روش کے نتیجہ میں راگ ورنگ اور موسیقی وسماع کی محفلوں ہی کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا جانے لگا۔ جہاد کے نام سے مسلمانوں کو گھبراہٹ ہوتی تھی۔ حج کرنا قریباً ختم ہو چکا تھا۔ عجیب عجیب تاویلیں اس بات کی تائید میں پیش کی جاتی تھیں کہ مسلمانانِ ہند پر اب حج فرض نہیں رہا۔

غرضیکہ برصغیر پاک و بھارت میں اسلام بالکل برائے نام رہ گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث

لا یبقٰی من الاسلام الّا اسمہٗ

ان مسلمانوں کے حق میں پوری ہو چکی تھی۔ سیاسی طور پر عالم اسلام مخالفتوں کے طوفان میں گھر چکا تھا۔ وہ مسلمان جس نے برصغیر پر سینکڑوں سال تک حکومت کی تھی اب انگریزوں کا غلام اور ہندوؤں کا دستِ نگر بن چکا تھا۔ پشاور سے لے کر دہلی تک سکھوں کا راج تھا جس میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ سکھ مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتے یہاں تک کہ مسلمان عورتوں کی عصمت و آبرو محفوظ نہیں تھی۔ گائے کی قربانی ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ مسجدوں میں اذان کہنے کی اجازت نہ تھی بعض مسجدوں سے اصطبل کا کام لیا جا رہا تھا۔ دکن میں مرہٹوں کا زور تھا وہ حملے کر کے دہلی اور آگرے تک آپہنچے تھے اس تاریکی کے دور میں روشنی کی ایک

---

[1] یہ مقالہ مجلس ارشاد مرکزیہ کے اجلاس منعقدہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں پڑھا گیا۔ (ایڈیٹر)

کرن پھوٹی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق تیرھویں صدی ہجری کے پہلے سال کے پہلے روز یعنی یکم محرم الحرام ۱۲۰۱ھ کو قصبہ رائے بریلی میں جناب سید احمد رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ آپ خدا کے سایہ میں جلد علم پڑھے اور خلعتِ مجددیت سے سرفراز ہوئے تا اپنے روحانی انوار سے شرک اور ضلالت کی تاریکی دور کریں اور اسلام کے منور چہرہ پر سے گرد و غبار صاف کر کے اس کی حقانیت اور صداقت کو دنیا سے منوائیں۔

قبل اس کے کہ خاکسار حضرت سید احمد صاحب شہید علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً آپ کے حالاتِ زندگی بیان کر دیئے جائیں۔

حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمۃ حسنی سید خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ چار سال کی عمر میں آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ آپ کو بچپن سے کھیل کا بڑا شوق تھا۔ کبڈی بڑے شوق سے کھیلتے تھے۔ پیراکی میں بھی خوب ماہر تھے۔ جسم پیدائشی طور پر بہت مضبوط تھا اسلئے آپ کی جسمانی صحت پر ورزشوں کی کثرت اور کھیل کود میں انہماک نے گویا سونے پر سہاگے کا کام دیا۔

خدمتِ خلق کا جذبہ آپ کی زندگی کا طرہ امتیاز ہے۔ ضعیفوں، اپاہجوں اور بیواؤں کی خبر گیری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔ اس بارے میں آپ کے ذوق ... کا یہ عالم تھا کہ خود وہ لوگ جو آپ کے بزرگوں کے مرید تھے کہتے کہ میاں کیوں گنا ہگار کرتے ہو۔ لیکن آپ ان کے سامنے خدمتِ خلق کے ثواب کو ایسے مؤثر رنگ میں بیان کرتے کہ وہ مجبور ہو کر اپنی ضروریات آپ کے سامنے رکھتے اور آپ انہیں پورا فرماتے۔

اس پر مستزاد خاکساری اور انکساری کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ لکھنؤ کے سفر میں آپ کے تمام رفقائے سفر تھک گئے۔ سامان اٹھانے کے لئے مزدور کی تلاش ہوئی لیکن مزدور نہ مل سکا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آپ لوگ یہ وعدہ کریں کہ میری بات مان لیں گے تو میں ایک بات کہوں۔ سب نے کہا ہم وعدہ کرتے ہیں۔ فرمایا سارا سامان ایک کمبل میں باندھ کر میرے سر پر رکھ دو میں انشاءاللہ منزل پر پہنچا دوں گا۔ آپ کے ساتھی وعدہ کر چکے تھے مجالِ انکار نہ ہوئی۔ آپ نے سب کا سامان سر پر اٹھا کر لکھنؤ پہنچا دیا۔ امت محمدیہ کے اس مائہ ناز فرزند جلیل نے اپنے ساتھیوں کا بوجھ اٹھا کر ثابت کر دیا کہ قدرت اُن سے احیائے شریعت، حفاظتِ دین اور اصلاحِ امت کا جو عظیم کام لینا چاہتی تھی آپ اُس کے اہل تھے۔ غرض آپ شروع سے تنومند، مخلوقِ خدا کے ہمدرد اور نہایت منکسر المزاج انسان تھے۔

سترہ سال کی عمر میں آپ دہلی پہنچے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعتِ سلوک کا

شرف حاصل کیا۔ دہلی کے قیام کے زمانہ میں آپ نے راہِ خدا میں بڑی کٹھن ریاضتیں اور سخت مجاہدے شروع کئے۔ قیام لیل بعض اوقات اتنا لمبا ہوتا کہ پاؤں متورم ہو جاتے۔ چنانچہ آپ نے اس قدر ریاضت اور مجاہدہ کیا کہ راہِ سلوک کی برسوں کی منزلیں چند دنوں میں طے کرلیں۔ باطنی پاکیزگی اور روحانی فیوض میں اتنی ترقی کی کہ بالآخر تیرھویں صدی کے مجدد اور اگلی صدی میں آنے والے مہدی معہود اور مسیح موعود کے ارہاص کے شرف سے مشرف ہوئے۔

"مخزنِ احمدی" جو آپ کی سوانح پر بڑی مستند کتاب ہے اس کے مصنف لکھتے ہیں:۔

"قیام دہلی کے اثنا میں رمضان پڑا۔ اکیسویں شب کو آپ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اس عشرہ کی کس رات میں شب بیداری کر کے شب قدر کی سعادت حاصل کی جائے۔ مولانا نے متبسم ہو کر فرمایا کہ فرزند عزیز شب بیداری کا جو روزانہ معمول ہے اسی طرح ان راتوں میں بھی عمل کرو۔ صرف شب بیداری سے کیا ہوتا ہے۔ دیکھو چوکیدار اور سپاہی ساری رات جاگتے رہتے ہیں مگر اس دولت سے بے نصیب و محروم رہتے ہیں۔ اگر تمہارے حال پر اللہ کا فضل ہے تو شب قدر میں اگر تم سوتے بھی رہو گے تو اللہ تم کو جگا کر ان برکات میں شریک کر دے گا۔ سید صاحب یہ سُنکر اپنے مسکن پر آگئے اور عادت کے مطابق شب بیداری کا معمول رکھا۔ ستائیسویں شب کو آپ نے چاہا کہ ساری رات جاگوں اور عبادت کروں مگر عشاء کی نماز کے بعد کچھ ایسا نیند کا غلبہ ہوا کہ آپ سو گئے۔ تہائی رات کے قریب دو شخصوں نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر جگایا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کے داہنے طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بائیں طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہیں اور آپ سے فرما رہے ہیں کہ احمد جلد اٹھ اور غسل کر۔ سید صاحب ان دونوں حضرات کو دیکھ کر دوڑ کر مسجد کے حوض کی طرف گئے اور باوجودیکہ سردی سے حوض کا پانی یخ ہو رہا تھا آپ نے اس سے غسل کیا اور فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرزند! آج شبِ قدر ہے یادِ الٰہی میں مشغول ہو اور دعا و مناجات کرو۔ اس کے بعد دونوں حضرات تشریف لے گئے۔"

دینی علوم کے حصول اور اولیاء اللہ و بزرگانِ

اُمت سے اکتسابِ فیض کے لئے آپ نے دہلی، سہارنپور اور کئی دوسری جگہوں کے متعدد سفر کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ لدنی سے نوازا۔ آپ جلد ہی مرجعِ خاص و عام بن گئے۔ آپ نے سفر و حضر میں بدعات اور رسومات کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ جہاں موقع ملتا لوگوں کو اکٹھا کر لیتے اور دلنشین پیرایہ میں اُن اوہام کی طرف انہیں متوجہ کرتے جو جہالت یا مشرکانہ ماحول کے نتیجہ میں اُن میں راہ پا گئے تھے۔ چنانچہ آپ کے سفر و حضر میں آپ کی یہ مساعی پیاسی روحوں کے لئے بارانِ رحمت ثابت ہوئیں۔ آپ کے مواعظِ حسنہ سے دلوں کے زنگ دُھل گئے۔

شوال ۱۲۳۶ھ کے آخر میں سید صاحب تقریباً چار سو احباب کے ہمراہ بریلی سے عازمِ حج ہو کر منزل بہ منزل کلکتہ پہنچے۔ تین مہینے وہاں ٹھہرے رہے۔ اس عرصہ میں لاکھوں مسلمانوں نے ہدایت پائی۔ اگلے سال حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو کر واپس وطن پہنچے تو سکھوں کے مظالم اور مداخلت فی الدین سے آپ کی طبیعت میں غیرتِ دینی نے جوش مارا اور حفاظتِ دین کے لئے آپ کی رُوح مضطرب ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے سکھوں کے خلاف عَلمِ جہاد بلند کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۲۴۱ھ میں ۵-۶ سو سرفروشوں کے ہمراہ ایک لمبی مسافت طے کر کے کابل اور جلال آباد کے راستے درۂ خیبر سے ہوتے ہوئے پشاور پہنچے۔ آپ راستہ بھر دعوتِ جہاد دیتے گئے۔ ڈیڑھ مہینے تک کابل میں اس غرض کے لئے مقیم رہے کہ امیر دوست محمد خان اور ان کے بھائیوں کے باہمی اختلافات دُور کر دیں۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عزمِ جہاد اور مسلمانوں میں اس کی پذیرائی کا شہرہ سنکر سکھ حکومت نے سردار بدھ سنگھ کی سرکردگی میں دس ہزار فوج مقابلہ کے لئے اکوڑہ (سرحد) بھیجی۔ پہلے ہی حملے میں غازیوں نے سات سو سکھوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس معرکہ میں شہداء کی تعداد صرف ۳۶ تھی سکھوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اکوڑہ کی کامیابی نے مسلمانوں کے حوصلے اور بھی بڑھا دیئے۔ علماء و خوانین سرحد کے ایک عظیم الشان اجتماع میں ۱۲ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ کو بمقام ہنڈ سید صاحب کے ہاتھ پر عوام نے امامتِ جہاد کی بیعت کی۔ اب سید صاحب نے پنجتار (خدو خیل) کو مرکز بنا لیا۔ بنیر اور سوات کا دورہ کیا۔ پشاور اور مردان کے درمیان کوہستانی علاقہ کے کثیر التعداد لوگ سید صاحب کے معاون بن گئے۔ ہزارہ کے محاذ پر غازیوں نے سکھوں کو پے در پے شکستیں دیں سکھوں پر سید صاحب کا اتنا رعب چھا گیا کہ وہ مصالحت پر آمادہ ہو گئے اور اٹک پار کے علاقے کو آپ کی سیادت

میں دینے پر تیار ہو گئے مگر آپ نے یہ پیشکش اس بناء پر قبول نہ کی کہ آپ کا حقیقی مقصود کوئی علاقہ یا جاگیر لینا نہ تھا بلکہ برصغیر سے سکھوں کا قلع قمع کر کے اسلامی حکومت کی بحالی اور نظام شرعی کا اجراء تھا۔ مگر اس اثناء میں رنجیت سنگھ کا بیٹا شیر سنگھ جو دس ہزار جنگجو سپاہیوں کے ساتھ مانسہرہ اور مظفر آباد کے درمیان چکر لگا رہا تھا اچانک فوج کی بڑی تعداد کو پہاڑی پگڈنڈیوں سے گزارتے ہوئے لمبا چکر کاٹ کر مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچانے میں کامیاب ہو گیا جو قصبہ بالاکوٹ کے عین سامنے جانب غرب واقع ہے۔ چنانچہ ۲۴ ذی القعدہ ۱۲۴۶ ہجری مطابق ۶ مئی سنہ ۱۸۳۱ء جمعہ کے دن بالاکوٹ اور مٹی کوٹ کے درمیانی علاقے میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔ سکھوں کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ تین سو غازیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان میں خود حضرت سید صاحب اور آپ کے دستِ راست مولانا اسمٰعیل شہید بھی شامل تھے۔ بقیۃ السیف غازی یہ سن کر میدان سے چلے گئے کہ سید صاحب کو گوجر لوگ اٹھا کر پاس کے پہاڑوں میں لے گئے ہیں۔ شہادت کا علم بعد میں ہوا۔

یوں وہ پیکرِ عزیمت و شجاعت ضلع ہزارہ کے شمال مشرقی گوشہ بالاکوٹ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے ابدی راحت سے ہم آغوش ہوا جس نے بے سرو سامانی کے باوجود مسلمانوں کو سکھوں کی دستبرد سے آزاد کرانے اور اسلامیانِ ہند کو حقیقی مسلمان بنانے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے رنگ میں رنگین کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روحانی فرزند نے سکھوں سے لڑتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی مگر اپنے عمل سے مسلمانوں میں اسلام کی سربلندی کے لئے ایک ایسی تڑپ پیدا کر دی اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما رہنے کی ایک ایسی تحریک چلا دی جس کی مثال ابتدائی دور کے مسلمانوں کے بعد بہت کم ملتی ہے۔ آپ نے اسلام کی سربلندی اور سرسبزی کے لئے جان کی قربانی دیکر اور اپنے خون سے اسلامی تحریک کی کہانی رقم فرما کر بزرگانِ امت میں ایک بلند مقام پایا ؎

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت سید احمد شہید کے مختصر حالاتِ زندگی بیان کرنے کے بعد خاکسار ان کے چیدہ چیدہ کارنامے بیان کرتا ہے۔

نکاحِ بیوگان

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے سید صاحب کی زندگی مختلف بدعات اور مشرکانہ رسومات کے خلاف مجسم جہاد تھی۔ مسلمانوں نے ہندوؤں سے میل ملاپ کے نتیجہ میں جو غیر اسلامی اور غیر شرعی رسوم اختیار کر رکھی تھیں ان میں سے ایک رسم یہ بھی

تھی کہ کسی عورت کے شوہر کے فوت ہو جانے پر وہ نکاح ثانی نہیں کر سکتی تھی۔ خصوصاً اونچے گھرانوں میں تو اس کا تصوّر بھی ناممکن تھا۔ غرض بیوہ کے عقدِ ثانی کو بہت ہی بُرا سمجھا جاتا تھا۔

حضرت سیّد صاحب علیہ الرحمۃ اس قبیح رسم کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ رسم لمبے زمانہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں رائج ہو چکی تھی اسلئے اس کے خلاف آواز اُٹھانا ایک بڑا مشکل کام تھا تاہم حضرت سیّد صاحب احیاءِ سُنّت پر کمربستہ ہو گئے اور اس کا آغاز سب سے پہلے اپنے گھر سے کیا۔ آپ کے منجھلے بھائی سیّد اسحٰق مرحوم کی بیوہ جوان تھی۔ آپ نے ان سے محض احیاءِ سنّت کی غرض سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی۔ جس پر اہلی رسم کی وجہ سے کچھ پس و پیش ہوا تو سیّد صاحب نے تمام گھر والوں کو جمع کر کے ایک اثر انگیز تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"احکامِ شریعت میں سے ایک حکم بیوہ کا نکاح ثانی بھی ہے خصوصاً وہ بیوہ جو جوان ہو۔ افسوس کہ اس زمانہ میں بیوہ کے نکاح کو شرک اور کفر کے برابر سمجھ لیا گیا ہے۔ اس پر عمل پیرائی کو نہایت درجہ قبیح و شنیع تصور کیا جاتا ہے۔ جو بیوہ نکاح کر لے اُسے بہت نازیبا الفاظ سے مطعون کیا جاتا ہے یہ کوئی نہیں سوچتا کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہنّ حضرت عائشہؓ کے سوا سب بیوہ تھیں۔"

چنانچہ گھر میں حسین و جمیل اور باعفّت زوجہ محترمہ کی موجودگی میں اپنی بھاوج سے نکاح کی یہ خواہش جو حظِّ نفس کے لئے نہیں تھی بلکہ محض ترویج سنّت حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی پُوری ہوئی۔ آپ کی بھاوج بطیب خاطر آپ سے نکاح پر راضی ہو گئیں۔ نکاح کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد آپ نے دہلی، رامپور اور دوسرے مقامات پر خطوط بھجوائے تاکہ لوگوں میں اس تقریب کی خوب اشاعت سے اس قبیح رسم کے ترک کرنے کی ترغیب ہو۔ چنانچہ آپ کی یہ نیک کوشش پھل لائی۔ مختلف مقامات کے شرفاء اور رؤساء نے بیوہ خواتین سے نکاح کرلئے۔ سیّد صاحب علیہ الرحمۃ کی یہ کامیابی دراصل بیوگان کے لئے باعثِ رحمت بن گئی۔

حج بیت اللہ

برصغیر پاک و بھارت کے اُس وقت کے علماء کی غلط تاویلات اور اس فقہی عذر کی وجہ سے کہ راستہ میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی ایک مانع شرعی ہے یعنی مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کے منافی ہے اسلئے برصغیر کے مسلمانوں پر حج فرض نہیں رہا اور گویا اس حالت میں حج کے لئے نکلنا خود کو ہلاکت کے سپرد کرنے کے مترادف ہے۔ بعض

علماء نے تو باضابطہ فتویٰ دیدیا تھا۔ ان غلط دلائل اور بے معنی تاویلات کی وجہ سے لوگوں نے حج کرنا قریباً چھوڑ دیا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ قریب تھا کہ اسلام کا یہ ایک اہم رُکن بالکل ساقط و متروک ہو کر رہ جائے اور دین متین اسلام میں ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھل جائے کہ مجددِ وقت حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ نے خود حج کا قصد فرمایا اور اپنے ارادتمندوں کو اطلاع نیز عام دعوت دی کہ جو شخص حج کے لئے جانا چاہے وہ ان کے ساتھ آملے۔ اس کا تمام خرچ حضرت سید صاحب اٹھائینگے۔ اس دعوت کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے لوگ جوق در جوق آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ چنانچہ نہ صرف خود حج سے مشرف ہوئے بلکہ آپ کی بدولت چار سو مردوں اور عورتوں کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی فضلوں سے نوازا۔ آپ کے قدم قدم پر تائیداتِ الٰہیہ نازل ہوتی رہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی یہ متضرعانہ دعا قابلِ ذکر ہے۔ آپ نے دعا کی :-

"الٰہی! ہندوستان سے تیرے کعبہ کی راہ مسدود ہے۔ ہزاروں مالدار صاحب زکوٰۃ مر گئے مگر نفس و شیطان کے بہکانے سے اس بناء پر حج سے محروم رہ گئے کہ راستے میں امن نہیں ہے۔ ہزاروں صاحب ثروت اب جیتے ہیں اسی وسوسے میں پڑ کر حج کے لئے نہیں جاتے۔ الٰہی! اپنی رحمت سے ایسا راستہ کھول دے کہ جو ارادہ کرے بے دغدغہ چلا جائے اور اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم نہ رہے۔"

آپ نے بعد میں ایک موقعہ پر فرمایا کہ میری یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے اور مجھے ارشاد ہوا ہے کہ :-

"جب تو حج کرے گا تو یہ راستہ علی العموم کھول دیں گے۔"

غرض صدیوں کے بعد اس مقدس فریضے کا احیاء حضرت سید صاحب علیہ الرحمۃ کے ذریعہ ہوا۔ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں سے سمندر کا خوف بھی دور کر دیا۔

برہنہ غسل کی روک تھام

آپ کا دائرہ تجدید صرف ہندوستان تک محدود نہ تھا بلکہ جہاں بھی آپ تشریف لے گئے اور آپ نے خلاف شرع فعل دیکھا وہیں آپ نے اس کی اصلاح کی کوشش فرمائی۔ چنانچہ جب آپ حج پر تشریف لے جا رہے تھے تو عدن کے قریب ایک جگہ قیام پذیر ہوئے وہاں آپ نے چند مسلمانوں کو برہنہ غسل کرتے دیکھا۔ آپ کو یہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ آپ ان میں سے دو آدمیوں کو پکڑ کر قاضیٔ شہر کے پاس

لے گئے۔ قاضی نے کچھ حیل وحجت کی۔ آپ نے اس سے فرمایا:۔

"چونکہ دین کی ابتدا عرب سے
ہے اور متقدمین سلف کے رسوم
ہمارے لئے سند کا حکم رکھتے
ہیں یہ خلافِ شرع وحیا عمل جس پر
وعید وارد ہے ایسی جگہ کیسے
ہو سکتا ہے۔"

قاضی نے کہا۔ لوگ بے حمیت اور بے غیرت ہیں۔ جرمانہ اور سزا کے باوجود باز نہیں آتے۔ یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ حاکم شہر کے پاس چلیں۔ حاکم شہر نے آپ کے موقف کو درخور اعتنا سمجھتے ہوئے فوراً چند سپاہی مقرر کر دیئے اور حکم جاری کر دیا کہ آئندہ کوئی بھی اس طرح غسل نہ کرے

سلام مسنون کی ترویج

ہندوانہ تہذیب و روایات کی یلغار کے نتیجہ میں مسلم معاشرت پر بہت گہرے اثرات پڑے ان میں سے ایک اثر یہ بھی تھا کہ مسلمانوں میں السلام علیکم کا رواج بالکل جاتا رہا۔ اس کی جگہ تسلیمات، آداب عرض وغیرہ قسم کے الفاظ رائج ہو گئے تھے۔ حضرت شہید علیہ الرحمۃ نے السلام علیکم کو مسلم معاشرہ کا جزو بنانے کے لئے خصوصی جد و جہد فرمائی۔ آپ کے مسلسل مواعظ حسنہ اور تحریری کاوش کا یہ نتیجہ نکلا کہ مشرکانہ الفاظ کی جگہ سلامتی کی یہ دعا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر سے مسلمانوں کی زبان سے ادا ہونے لگی۔

بے پردگی کا انسداد

علاوہ اور مکروہات کے مسلمانانِ ہند میں عورتوں کی بے پردگی بھی عام ہو گئی۔ ایک مرتبہ شیخ امام بخش نے جو کلکتہ کے بہت بڑے مالدار آدمی تھے، آپ کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد انہوں نے سید صاحبؒ سے عرض کی کہ آپ زنانہ حصہ میں تشریف لے چلیں۔ ہمراہیوں نے شیخ صاحب سے کہا کہ آپ اندر جا کر پردہ کرائیں۔ وہ اندر گئے اور باہر آ کر کہا کہ پردہ ہو گیا۔ سید صاحب مکان کے اندر گئے تو دیکھا کہ عورتیں بے پردہ بیٹھی ہیں۔ سید صاحب لاحول پڑھتے ہوئے فوراً واپس آ گئے اور پھر سب کو جمع کر کے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"پردہ نہ کرنا کفار کی رسم ہے اور
اس میں بڑے بڑے فساد اور قباحتیں
ہیں اور خدا اور رسول کی نافرمانی
ہے۔ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔"

شیخ امام بخش صاحب نے عرض کیا۔ پورے ملک میں کسی کے یہاں شرعی پردہ نہیں ہوتا۔ شرفاء ہی کیا غرباء کا بھی یہی حال ہے۔ اب یکایک اس کا بند و بست کرنا کارے دارد ہے۔ آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ وہ کچھ روز تک کلکتہ میں رہ کر لوگوں کو پردہ کے احکام سے آگاہ کریں اور خود بھی ایک سلسلۂ وعظ پردہ کی اہمیت اور ضرورت پر شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بے پردگی کی رَد میں

بہنے والی ہزاروں خواتین نے پھر سے پردہ کرنا شروع کر دیا۔

فریضہ جہاد کا احیاء

اب میں آخر میں حضرت سید احمد بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کارنامہ بیان کرتا ہوں جس کا کچھ ذکر آپ کی زندگی کے حالات میں پہلے گزر چکا ہے۔ آپ کا یہ کارنامہ حفاظتِ دین اور مسلمانوں کے اندر اسلامی تحریک کی ایک نئی روح بیدار کرنے کے اعتبار سے نہایت اہم اور مہتم بالشان ہے۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں حضرت سید صاحبؒ نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں وہ مسلمانوں کے ادبار کا زمانہ تھا۔ عیش و عشرت اور رنگ رلیوں نے مسلمانوں کے قوائے عملیہ کو مفلوج کر دیا تھا۔ ان کی ایمانی حرارت ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ نہ جینے کی امنگ باقی تھی نہ اپنے دشمن کے خلاف سینہ سپر ہونے کی رُوح باقی تھی۔ نا امیدی اور مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اُن پر سایہ فگن تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ سکھوں نے مسلمانوں پر ان کا عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ دین اسلام کے فرائض کی بجا آوری میں کھلم کھلا مداخلت کی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کی یہ زبوں حالی زبانِ حال سے کسی خدا رسیدہ بزرگ مصلح کی متقاضی تھی جو ایک طرف مسلمانوں کی اصلاح کرتا اور دوسری طرف ان کی نا امیدی اور مایوسی کو دُور کرنے کے لئے اُن کے قومی اوصاف کو اُجاگر اور طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے جہاد کی رُوح کو بیدار کرتا۔ یہ سعادت حضرت سید شہیدؒ کے حصہ میں آئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے لو لگا کر دینی ضروریات کو سمجھا اور برصغیر کا طوفانی دورہ کر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا اور اُن کو جرأت دلا کر آمادۂ عمل کیا اور حفاظتِ دین کے لئے ایسی مؤثر تحریک چلائی اور مسلمانوں کے اندر ایسا جوش و خروش پیدا کیا کہ قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہو گئی۔

آپ کے عملی جہاد کے سلسلہ میں آپ کا یہ کارنامہ بھی کچھ کم نہیں کہ آپ نے جہاد کی صحیح تعریف بیان فرما کر غلط مکتبِ فکر کی نفی بھی فرما دی۔ آپ نے بڑی تحدی سے یہ فرمایا کہ جہاد اس بات کا نام نہیں ہے کہ غیر مسلم حکومت کے اندر رہنے والے مسلمان باغی ہو کر حکومتِ وقت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں بلکہ شرعاً جہاد صرف اُسوقت فرض ہوتا ہے جب غیر مسلم حکومت مداخلت فی الدّین کی مرتکب ہو۔ آپ کے وقت میں برصغیر پر ایک طرف انگریزوں کی حکومت تھی اور دوسری طرف سکھوں کی۔ انگریزوں نے چونکہ دینی معاملات میں کبھی دخل نہ دیا تھا اسلئے آپ نے ان کے خلاف کبھی شمشیر نہ اُٹھائی بلکہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے سکھوں کے بالمقابل سرحد میں جا کر صف آرا ہوئے۔

چنانچہ یہ ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے تو

کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ اتنی دور سکھوں کے خلاف جنگ کرنے کیوں جاتے ہیں جبکہ ایک بدیشی حکمران یعنی انگریز اس ملک پر حاکم ہے۔ منکرِ اسلام بھی ہے۔ ہزاروں میلوں کے سفر کرنے کی بجائے کیوں نہ ان سے ہی نپٹ لیا جائے۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کے ساتھ مل جائیں گے اور رسل و رسائل کی بھی تکلیف نہ ہوگی۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے بلکہ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام پر ظلم کرتے اور اذان وغیرہ فرائضِ مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یا ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکاتِ مستوجبِ جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور سرکارِ انگریزی گو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدّی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرضِ مذہبی اور عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویجِ مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام توحیدِ الٰہی اور احیاءِ سننِ سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلافِ اصولِ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں۔ یہ جواب سُن کر سائل خاموش ہوگیا۔"

پس جہاں آپ نے جہاد کی فرضیت کا اِحیاء کیا وہاں اصولِ جہاد اور شرائطِ جہاد پر بھی نہایت حکیمانہ رنگ میں روشنی ڈالی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب یہی موقف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انگریزی حکومت کے متعلق اختیار فرمایا تو علماء نے اُن پر کفر کے فتوے لگا دیئے! اور کسی نے یہ نہ سوچا کہ یہ تو وہی مسئلہ ہے جسے شہید مرحوم ایک صدی قبل اپنے قول اور فعل سے حل کر چکے ہیں۔ و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین ✦

(بقیہ صفحہ ۳۴)

حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو آلۂ کار بنانے؟ کیا یہ تحصیل حاصل نہ تھی؟

احمدیہ تحریک کی بنیاد اصلاحِ عقائد اور اصلاحِ اعمال پر ہے۔ جب بھی ایسی تحریک اُٹھے گی تو عوام اور علماء یقیناً اسکے مخالف ہونگے تو کیا کوئی عقلمند باور کر سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء تک کی کامل وفاداری کے دور میں نیز علماء کی بار بار کی یقین دہانیوں پر پوری طرح مطمئن ہونے کے باوجود انگریزوں کو یہ ضرورت تھی کہ وہ اختلافِ عقائد کی تحریک جاری کر کے اپنے مقصد کو حاصل کریں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ پس مذکورہ بالا حوالہ جات سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام شیعہ اور حنفی اجابات اور انکے علماء انگریزوں کے کامل وفادار تھے وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پر انگریزوں کا آلۂ کار ہونے کا اتہام سراسر جھوٹ اور افترا ہے وما علینا الا البلاغ المبین ✦

تضمین بر کلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

(جناب سید محمد شاہ صاحب سیفی بیج بہاڑہ کشمیر)

مرغوب ودل پسندِ من قالِ محمدؐ است — لیل ونہارِ من بخیالِ محمدؐ است
طبعم بوصفِ خُلق وخصالِ محمدؐ است — جان ودلم فدائے جمالِ محمدؐ است
خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

اے بے خبر بہ بغض وعناد وابا مکوش — یک جُرعۂ زجامِ مصفّا بیا بنوش
مستِ نگاہِ یار شدہ خاطرم بجوش — دیدم بعین وقلب شنیدم بگوشِ ہوش
در ہر مکاں ندائے جمالِ محمدؐ است

درسِ وفا وپئے بصراطِ ہُدا دہم — شہدِ صفا وقوتِ دلِ غمزُدا دہم
ز آقائے خویش ہیچ نطرح جُدا دہم — ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم
یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

سیفی بہائے شعرِ تُو بازبرجدی است — زاں رُو کہ گشتہ وقفِ ہدایاتِ مہدی است
مُرغِ دلم گرفتہ پئے ازبلاغ ارشدی است — ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدی است
ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

قسط سوم
آخری قسط

اکابر علماءِ احناف اور انگریزی حکومت

اہلحدیث اخبار الاعتصام لاہور کے چند کارآمد حوالے!

(۴)

سر سیّد مرحوم کا اعلان

"سر سیّد وہابیوں کی مدافعت کے لئے میدان میں نکل آئے اور اعلان کیا کہ میں وہابی ہوں اور اپنے عقائد کی رُو سے انگریزی حکومت کا وفادار ہوں اور کوئی وہابی انگریزی گورنمنٹ سے بغاوت نہیں کر سکتا۔"

(الاعتصام لاہور ۲۸ اگست ۱۹۷۱ء صفحہ ۳)

(۵)

سر سیّد کا کارنامہ

"سر سیّد نے اپنے ذاتی تعلقات کی بناء پر علماءِ صادق پور اور میاں نذیر حسین صاحب کے ذریعہ جماعت اہلحدیث کا رُخ مسئلہ جہاد سے موڑ کر انگریز کی وفاداری کی طرف پھیر دیا۔ اور یُوں وہ جماعت جو انگریز کی باغی تھی اس کی وفادار بن گئی۔"

(الاعتصام ۲۵ ستمبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۵)

(۶)

حکومت سے بغاوت خلافِ قانون ہے

"امر واقعہ یہ ہے ۱۸۵۷ء کی ملکی لڑائی میں علماءِ دیوبند نے مولانا مملوک علی کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے من حیث الجماعت انگریز کا ساتھ دیا تھا۔ احیاء العلوم وغیرہ جیسی کتابوں کے مترجم اور متعدد کتب کے مؤلف مولانا مملوک علی کے بھتیجے دیوبندی فکر کے مشہور بزرگ مولانا محمد احسن نانوتوی کے متعلق جناب ایوب قادری لکھتے ہیں:-

"۲۲ مئی ۱۸۵۷ء کو نمازِ جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن نے بریلی کی مسجد نو محلہ میں مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلافِ قانون ہے۔"

(رسالہ مولانا محمد احسن نانوتوی صفحہ ۵۰)

(الاعتصام لاہور ۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء صفحہ ۶)

(۷)

صدر مدرس دیوبند کی کامل وفاداری

"مولانا مملوک علی کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب ان دنوں بہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے۔ ہنگاموں کے وقت آپ گھر پر ہی تھے۔ ہنگامہ فرو ہوا تو آپ اپنے کام پر تشریف لے گئے۔ آپ سے برطانوی حکومت کے افسرانِ بالا بڑے خوش تھے اور آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مفتی عزیز الرحمان لکھتے ہیں:- "ایامِ غدر کی چھ ماہ کی تنخواہ آپ کو پیش کی گئی تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب میں نے کام نہیں کیا تو کیوں لوں"
(تذکرہ مشائخ دیوبند صکا)

اگر یہ واقعہ سچا ہے تو اس سے جہاں آپ کا کمال درجے کا زہد و ورع ثابت ہوتا ہے وہاں یہی واقعہ گورنمنٹ انگریزی سے آپ کی کامل وفاداری کا واضح ثبوت بھی ہے۔ مولانا ۱۸۵۷ء کی جنگ کو غدر اور اس میں حصہ لینے والوں کو مفسدین سے تعبیر کرتے تھے"۔ (سوانح قاسمی ص۱۹)۔ (الاعتصام ۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء صک)

(۸)

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے اپنے تاثرات

"مولانا رشید احمد گنگوہی کے اپنے متعلق یہ تاثرات تھے: میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"
(الاعتصام ۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء صک)

(۹)

شیعہ فرقہ کی انگریزوں سے کامل وفاداری

"مرحوم سید احمد خان (جو بعد میں سر سید کہلائے) میدان میں آئے اور اسباب بغاوتِ ہند کے نام سے ایک رسالہ لکھا...... سر سید نے یہ رسالہ ۱۸۵۸ء میں لکھا تھا۔ صرف بارہ سال بعد ۱۸۷۰ء میں مسلمان قوم کی یہ کیفیت ہو گئی کہ مسلمانوں کا ایک اہم فرقہ شیعہ سب کا سب انگریزوں کو اپنی کامل وفاداری کا یقین دلانے میں پیش پیش تھا۔ اگرچہ یہ فرقہ کسی وقت بھی انگریز کے نزدیک مشکوک نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس کی طرف سے فارسی زبان میں ایک رسالہ شائع ہوا جس میں جہاد کی مخالفت اور گورنمنٹ کے ساتھ پوری پوری وفاداری کا اعلان تھا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ڈبلیو۔ڈبلیو ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" (ص۱۴۴ تا ص۱۸۱ اردو ترجمہ) (الاعتصام ۹ر اکتوبر ۱۹۷۰ء صہ)

(۱۰)

علماءِ احناف نے جہاد کے خلاف فتاوی شائع کئے

"ہندوستان کے مسلمانوں کا دوسرا بڑا فرقہ

سُنّی مسلمانوں پر مشتمل تھا۔ جن میں ظاہر ہے بڑی اکثریت احناف کی تھی۔ جنہوں نے اگرچہ سانحۂ بالاکوٹ ۱۸۳۱ء سے ہی انگریزی حکومت کے متعلق اپنی پالیسی بدل لی تھی اور سید صاحب کی تحریک سے کلیۃً علیحدہ ہو چکے تھے بلکہ کسی حد تک اس کی مخالفت پر آمادہ تھے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ چونکہ یہ سب کچھ انگریزی حکومت کے علم میں تھا اسلئے قدرتاً اس کا ذہن ان کی طرف سے بالکل صاف تھا اور واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ بھی برٹش گورنمنٹ سے پورا تعاون کرتے تھے۔ بایں ہمہ ۱۸۵۷ء کے واقعات سے جو شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے ان کا ازالہ ضروری تھا اسلئے علماءِ احناف نے انگریزوں کی حمایت اور جہاد کی مخالفت میں مضامین اور فتاویٰ لکھے اور وسیع پیمانہ پر ان کو شائع کیا گیا۔"

(الاعتصام ۱۶/۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء صـ۵)

(۱۱)

انگریز کی حمایت میں فتویٰ دینے والے علماء کے نام

"دوسرا سوال یہ ہے کہ ملک میں جہاد جائز ہے یا نہیں لیکن اس کو پہلے سوال کے ساتھ حل کر دیا گیا ہے کیونکہ دارالاسلام میں جہاد کی اجازت کسی حالت میں بھی نہیں۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس کی حمایت کے لئے کوئی دلیل یا مثال پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ اب اگر کوئی گم کردہ راہ مجنون اپنی اُلٹی قسمت کی وجہ سے ملک ہندوستان کے انگریز حاکموں کے خلاف جنگ شروع کر دے تو اس قسم کی جنگ کو **بغاوت** تصور کیا جائے گا اور بغاوت اسلامی فقہ میں سخت منع ہے اسلئے یہ جنگ بھی ناجائز ہوگی۔ اگر کوئی شخص کسی حالت میں بھی ایسی جنگ کرے گا تو مسلمان اپنے حاکموں کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں گے اور اُن کے ساتھ مل کر باغیوں سے جنگ کریں گے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان صـ۲۱۳)

شمالی ہند کے جن علماء کرام کا فتویٰ ہنٹر نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ یہ حضرات ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی۔ مولانا محمد علی لکھنوی۔ مولانا فیض اللہ لکھنوی۔ مولانا محمد نعیم لکھنوی۔ مولانا رحمت اللہ لکھنوی۔ مولانا قطب الدین لکھنوی۔ مفتی سعد اللہ لکھنوی۔ مولانا لطیف اللہ رامپوری۔ مولانا غلام علی رامپوری۔ (ایضاً صـ۲۱۵)

جہاد کے خلاف اور انگریز کے حق میں اس مہم کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے کے لئے مکہ معظمہ سے بھی بعض فتوے درآمد کئے گئے جن کو ہنٹر نے اپنی کتاب کے آخر میں درج کر دیا ہے۔

الغرض سر سید احمد خان کی یہ کوشش بڑی مؤثر ثابت ہوئی۔ برٹش گورنمنٹ نے آپ کے رسالے "اسباب بغاوت ہند" کی روشنی میں جو نئی پالیسی وضع کی اور جوش کی جگہ ہوش سے کام لیا تو قلیل مدت میں اُسے اُمید سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے دو عظیم

فرقوں احناف اور شیعہ نے اسے کامل
وفاداری کا یقین دلا دیا۔ اور گورنمنٹ بھی
ان دونوں فرقوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن
ہوگئی اور یہ سب کچھ ۱۸۷۰ء تک ہو چکا تھا۔"
(الاعتصام ۹ر اکتوبر ۱۹۷۰ء ص۵-۶)

—— (۱۲) ——

دار العلوم دیوبند معاون سرکار برطانیہ ہے

"۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء کو لیفٹیننٹ گورنر نے
اپنے خاص معتمد آدمی مسٹر پامر کو دار العلوم دیوبند کے
معائنہ کے لئے بھیجا تو اُس نے ان الفاظ میں اکر
رپورٹ دی کہ :-

"یہ مدرسہ خلافِ سرکار نہیں بلکہ
موافق سرکار و ممد و معاون
سرکار ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ
لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں
کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ
نہیں۔" (رسالہ مولانا محمد احسن
نانوتوی ص۲۱)

ظاہر ہے کہ انگریزی گورنمنٹ کے نزدیک وہی شخص
"نیک چلن ہو سکتا تھا جو اس کا کامل وفادار ہو۔"

(الاعتصام ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۰ء ص۵)

—— (۱۳) ——

مجاہدین کو باغی قرار دیکر انکی سرکوبی فرض قرار دی

"اس میں شک نہیں کہ ۱۸۶۵ء میں ملنے والے
اس دینی مدرسہ نے جذبۂ جہاد کو سرد کرنے کے لئے
بڑا اہم کردار ادا کیا اور ہماری رائے میں یہی وہ خدمت
جلیلہ ہے جسے مسٹر پامر اپنے الفاظ میں کہہ رہے ہیں
کہ یہ مدرسہ ممد و معاون سرکار ہے۔ اس اخلاقی
تعاون میں علماءِ احناف نے جو خدمات سرانجام
دی ہیں ان کی ایک جھلک ان فتاویٰ میں گزر چکی ہے
جو علماءِ احناف نے جہاد کے خلاف دیتے ہوئے گورنمنٹ
کو اپنی کامل وفاداری کا ثبوت بہم پہنچایا۔ بلکہ بعض
نے تو مجاہدین کو باغی قرار دیتے ہوئے ان کی سرکوبی
کے لئے حکومت کے ساتھ مل کر لڑنا بھی فرض
قرار دیا ہے۔"
(الاعتصام ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۰ء ص۵)

—— (۱۴) ——

اہلحدیث مرتد اور واجب القتل ہیں

"دیوبندی مکتب فکر کے مشہور بزرگ مولانا
حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے جدِ امجد مولوی
محمد لدھیانوی صاحب سے شاید جناب قادری صاحب
متعارف ہی ہوں گے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے
شاید اس مہم کا افتتاح کرتے ہوئے انتظام
المساجد باخراج اھل الفتن والمفاسد
کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر شائع کیا۔ موصوف نے
اہلحدیث کو مرتد قرار دیتے ہوئے حکام بالا سے
ان کے قتل کا مطالبہ کیا۔"
(الاعتصام ۶ر نومبر ۱۹۷۰ء ص۳)

(۱۵)

پوری اُمّتِ احناف کا فتویٰ اہلحدیثوں پر

"مولوی محمد لدھیانوی کی لگائی ہوئی آگ پر تیل ڈالنے کے لئے پوری اُمّتِ احناف میدان میں کود پڑی اور اہل حدیث کے خلاف چلائی ہوئی مہم کو تیز تر کرنے کے لئے ایک نئے فقرے کا اہتمام کیا گیا جس کا نام نامی جامع الشواھد فی اخراج الوھابیین عن المساجد ہے۔ اس رسالہ پر لدھیانہ۔ دیوبند۔ گنگوہ۔ پانی پت۔ رامپور اور بہت سے دوسرے شہروں کے علمائے احناف کی مہریں اور دستخط لئے گئے اور وسیع پیمانہ پر اس کی اشاعت کی گئی۔ اس رسالہ میں جہاں اہل حدیث کو کافر و مبتدع کہا گیا ہے وہاں عوام سے اپیل کی گئی ہے کہ ان کے خلاف جس قدر شمشیر، دست و زبان سے مقابلہ کیا جائے کم ہے۔"

(الاعتصام ۶ر نومبر سنہ ۱۹۷ء صفحہ)

الفرقان۔ الاعتصام کے اِن اقتباسات سے عیاں ہے کہ علماء احناف اور مدرسہ دیوبند کے جملہ مدرسین انگریزی حکومت کے ساتھ پورا پورا تعاون کرتے تھے بلکہ مدرسہ دیوبند کی ایک اہم غرض انگریزی حکومت کی تائید و حمایت تھی۔ ان حوالہ جات میں یہ بھی درج ہے کہ شیعہ فرقہ اور سُنّی فرقہ کے لوگ بھی انگریزی حکومت کے کامل وفادار تھے۔ سر سید مرحوم کی کوششوں کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ سب لوگ ۱۸۵۷ء کی جنگ کو غدر کہتے تھے اور اس جنگ میں حصہ لینے والوں کو مفسدین قرار دیتے تھے۔ اسی سلسلہ میں بتصریح مذکور ہے کہ :-

"علماء احناف نے انگریزوں کی حمایت اور جہاد کی مخالفت میں مضامین اور فتاوی لکھے اور وسیع پیمانہ پران کو شائع کیا گیا۔"

اِن حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے مخالفین (حنفی ہوں یا غیر حنفی) اِن تمام علماء کو انگریزوں کا آلۂ کار قرار دینے کے لئے تیار ہیں؟

اِن حوالہ جات پر غور کرنے سے ایک اور واضح حقیقت بھی سامنے آتی ہے۔ لکھا ہے کہ :-

"مسلمانوں کے دو عظیم فرقوں احناف اور شیعہ نے اسے (گورنمنٹ برطانیہ کو) کامل وفاداری کا یقین دلا دیا اور گورنمنٹ بھی ان دونوں فرقوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہو گئی اور یہ سب کچھ ۱۸۵۷ء تک ہو چکا تھا۔"

(الاعتصام ۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۷ء)

یہ حقیقت اہلحدیثوں کو مسلّم اور خود اُن کی بیان کردہ اور فی الواقعہ بھی یہ ایک تاریخی صداقت ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ۱۸۵۷ء عیسوی تک انگریزی حکومت احناف اور شیعہ فرقوں کے جملہ افراد کی کامل وفاداری کو تسلیم کر چکی تھی اور ان کے بارے میں پوری طرح مطمئن تھی تو کیا حکومت کی عقل ماری گئی تھی کہ وہ (بزعم بعض ناسمجھ معترضین) مسلمانوں کو انگریزوں کا وفادار بنانے اور ان کی مزاحمت ختم کرنے کے لئے

(بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

سوانح حضرت الشیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ

(محترم جناب صوفی محمد اسحٰق صاحب مبلغ مشرقی افریقہ)

حضرت محی الدین المعروف بابن العربیؒ کا پورا نام ہے محی الدین محمد بن علی بن محمد العربی۔ آپ عرب کے مشہور سخی و مہمان نواز حاتم طائی کی نسل سے ہیں۔ آپ تصوف کی دنیا میں "شیخ اکبر" کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں اور علمی دنیا میں محی الدین ابن العربی کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت ابن العربی کا گھرانہ سپین یعنی اندلس میں اسلامی حکومت قائم ہو جانے پر وہاں جا بسا تھا اور آپ کی پیدائش مرسیلہ شہر میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ ہجری کو ہوئی۔ آپ کے والد تجارت کا کام کرتے تھے مگر تعلیم یافتہ اور بے حد نیک تھے۔

اُس زمانہ کے دستور کے مطابق حضرت ابن العربیؒ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی اور آپ نے اپنے والد صاحب سے ہی قرآن اور حدیث کا درس لیا۔ ۵۶۸ ہجری میں آپ اپنے والد کے ساتھ اشبیلیہ گئے جو اُس زمانہ میں صوفیاء اور علماء کا مرکز تھا۔ یہاں پر آپ نے ابوبکر بن خلف سے فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس لیا۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ عالم اسلام بلکہ ساری دنیا کے مشہور فلسفی ابن رُشد سے ملنے قرطبہ گئے۔

حضرت ابن العربیؒ بچپن سے ہی بے حد نیک، عبادت گزار اور صادق القول اور بہت ذہین تھے۔ بچپن میں ہی آپ کو سچے خواب آنے شروع ہو گئے تھے اور آپ جلد ہی دُور دُور تک مشہور ہو گئے۔

عین عالم شباب میں حضرت ابن العربیؒ کے زورِ قلم کا یہ عالم تھا کہ عربی نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ شعر کہنے کا ملکہ فطری تھا اور آپ عموماً فی البدیہہ شعر کہا کرتے تھے۔ عربی زبان کی لغت اور محاورات پر آپ کو کافی قدرت حاصل تھی۔

عقیدہ کے لحاظ سے حضرت ابن العربیؒ کا کنبہ حضرت امام مالکؒ کے فقہی مسلک کا پیرو تھا مگر آپ نے مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں سے تعلیم حاصل کی تھی اسلئے آپ نے اپنے آپکو کسی ایک کا پابند نہ ہونے دیا۔

حضرت محی الدین ابن العربیؒ کو فلسفہ، تصوّف اور الٰہیات کے اسرار و رموز کے مطالعہ میں جو گہرائی حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے اور

آپ کی کشفی اور الہامی کیفیتیں مسلّم ہیں ۵۹۵ھ ہجری میں آپ المیریہ کے مقام پر گئے اور وہاں پہ آپ نے اپنی کتاب "مواقع النجوم" تصنیف کی۔ ۵۹۷ھ ہجری میں آپ جایہ کے مقام پر گئے جہاں آپ نے متعدد علماء و صوفیاء سے ملاقات کی اور یہاں پر ہی آپ نے اپنا مشہور خواب دیکھا کہ آسمان کے تمام ستارے یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آ گئے ہیں جس کا مطلب یہی تھا کہ آپ کو علم و معرفت میں ایک نہایت ہی بلند مقام حاصل ہوگا۔ اس خواب سے آپ کو ایک عجیب روحانی سکون میسر آیا۔

۵۹۸ھ ہجری میں آپ نے اندلس کو خیرباد کہا اور افریقہ، مصر، مکہ اور بغداد کے لئے آپ روانہ ہوئے اور کئی جگہ کا سفر کرتے ہوئے بالآخر آپ دمشق میں مستقل طور پر آباد ہوئے۔

اہل حق کی دشمنی عموماً ہوتی آئی ہے اسلئے ایک طبقہ علماء آپ کا بھی آپ کے فلسفیانہ عقائد کی وجہ سے دشمن ہو گیا۔ آپ کے خلاف سازشیں کی گئیں۔ ایک دفعہ آپ کو زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی اور آپ کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کیا گیا۔ آپ کے علمی مخالفین میں امام ابن تیمیہ اور علامہ تفتازانی کے نام سرِفہرست آتے ہیں۔ جو لوگ آپ کے مخالف تھے وہ آپ کو ملحدِ اعظم، کافرِ اعظم اور زندیق کہتے تھے اور آپ کے معتقدین آپ کو شیخ اکبر اور صدیق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آپ کی مشہور تر تصنیف فتوحات مکیہ ہے اور فصوص الحکم بھی کافی مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے کوئی ۵۰۰ کے قریب کتب تصنیف کی تھیں لیکن ان میں سے اکثر اس وقت نایاب ہیں۔

آپ کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی ملاقات امام شہاب الدین سہروردی سے ہوئی تو دونوں ایک دوسرے کو تکتے رہے کسی نے بھی کسی سے کچھ نہ کہا اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ بعد میں جب ابن العربی رح سے شہاب الدین سہروردی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ شہاب الدین سراپا شریعت اسلامیہ کا مظہر ہے اور سر سے پاؤں تک شریعت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے اور جب سہروردی صاحب سے ابن العربی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ابن العربی حقائق کے عرفان کا ایک بحرِ بیکراں ہے۔

دمشق میں آباد ہونے کے بعد صدر الدین قونوی آپ کے معتقد ہو گئے اور آپ سے تربیت حاصل کرنے کے بعد صحیح معنوں میں آپ کے جانشین ہوئے۔ ان کی علمی استعداد کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ نے حضرت محی الدین ابن العربی کی کتاب فتوحات مکیہ کا درس شروع کیا تو اس درس میں جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ جیسا ہونہار طالبعلم بھی موجود تھا جو بعد میں خود ایک علیحدہ مکتب فکر کا بانی قرار پایا اور جن کی تصنیف "مثنوی" لازوال شہرت کی مالک ہے۔

۶۰۸ھ ہجری میں حضرت محی الدین ابن العربیؒ بغداد گئے۔ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب آپ کے مجاہدہ اور الہامات کا چرچا ہو چکا تھا اور آپ کو ایک عظیم صوفی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ یہاں سے آپ مکہ واپس آئے اور سات سال تک وہاں مقیم رہے۔ آپ کی مشہور و معروف تصنیف "فتوحاتِ مکیہ" کی بنیاد یہیں پڑی جو آپ کا شاہکار ہے۔ ۶۰۸ھ ہجری میں آپ بغداد روانہ ہوئے جہاں کچھ عرصہ قیام کرکے آپ عراق اور موصل روانہ ہو گئے۔ ۶۱۱ھ ہجری میں آپ پھر وارد مکہ ہوئے اور اس زمانہ میں آپ کی محفل میں بڑے بڑے علماء اور صوفیاء شریک ہوتے تھے۔

ابن العربیؒ کی شخصیّت

حضرت ابن العربیؒ کی شخصیت ایک لحاظ سے بڑی عجیب و غریب ہے۔ جو لوگ آپ کی عظمت کے قائل ہیں وہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے آپ کو عظیم ترین صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ مانتے ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے خیالات سے متفق نہیں وہ آپ کو ملحدِ اعظم اور کافرِ اعظم وغیرہ کے خطابات سے نوازتے ہیں۔ خدا، رسالت، جنت و دوزخ، حشر و نشر اور ولایت کے متعلق اُن کے خیالات عام مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول نہیں ہیں۔ آپ بلاشک ایک عظیم فلسفی تھے اور آپ کا فلسفہ دنیا کے مشکل ترین فلسفوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابن العربیؒ کا اسلوبِ بیان بڑا دقیق اور پُر پیچ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فلسفہ کو اکثر و بیشتر نظم میں بیان کیا ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے تمام فلسفیانہ عقائد کو قرآن و حدیث کی مدد سے بیان کیا ہے جو فی ذاتہ ایک قابلِ قدر چیز ہے کہ باعثِ تنقیص۔

حضرت محی الدین ابن العربیؒ اور خدا تعالیٰ کا تصوّر

حضرت ابن العربیؒ ذاتِ خداوندی کے متعلق صرف اس کی جہت انتزاعی پر یقین رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمام کائنات کو جو لفظ کُن کہا تھا وہ خود اپنی ذات کو مخاطب کرکے کہا تھا اس کے سوا خارج میں کوئی ایسی شے موجود نہیں تھی جس کو مخاطب کرکے کچھ سے کچھ ہو جانے کے لئے حکم صادر کیا جاتا۔ اشیاء کا عدم خود ذاتِ خداوندی کی ایک اندرونی کیفیت ہے نہ کہ خارجی حالت۔ دراصل خالق نے مخلوق کے اندر خود اپنے آپ کو جلوہ آراء بنایا اور اس لئے اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے۔

میرے خیال میں اُردو زبان کے مشہور شاعر غالبؔ نے بھی آپ کے ہی اس فلسفہ کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ کس حساب میں

پھر الشیخ الاکبر فرماتے ہیں۔ اللہ اوّل بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ جب اس نے اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا چاہا تو کائنات کو اور پھر انسان کو پیدا کیا۔ انسان کو اپنی صفات میں سے بہت صفتیں عطا فرمائیں اور خود اپنے جمالِ جہاں آرا کو ملاحظہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو صفات کے ذریعہ ظاہر کیا۔ اس کے الاسماء الحسنیٰ اس کی صفات کی بنیاد بن گئے اور آدمؑ ابن آدم کو زمین پر نیابتِ الٰہی سونپ دی گئی۔ اس کو علم کے لحاظ سے فرشتوں پر سبقت دی گئی۔

ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ خدا کا نہ آغاز ہے اور نہ انجام۔ ہم سب اُسی سے وجود میں آتے ہیں اور اُسی میں واپس جذب ہو جائیں گے اسلئے وہی اوّل ہے اور وہی آخر (بحوالہ فصوص الحکم فص الآدمیّۃ)

مندرجہ بالا پیراگراف میں حضرت ابن العربیؒ نے خدا تعالیٰ کے متعلق جو تصور پیش کیا ہے وہ بلا ریب بڑا اچھوتا اور بڑا دلچسپ ہے۔ اور اس کی جو تشریح آپ نے کی ہے وہ اَور بھی پُرلطف ہے۔

عرفانِ الٰہی اور حضرت ابن العربیؒ

عرفانِ الٰہی کے متعلق بھی حضرت ابن العربیؒ کا نظریہ بہت حیرت انگیز ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عرفان دو طرح کا ہے۔ ذاتی اور صفاتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا عرفان حواسِ خمسہ سے ممکن نہیں ہے البتہ صفات کا عرفان حواس خمسہ سے ممکن ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا آئینہ ہے اور خود پر قیاس کرکے اللہ تعالیٰ کی صفات و مخلوقات کو سمجھ سکتا ہے۔ میرے نزدیک حضرت ابن العربیؒ کا یہ خیال قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر ہے کہ "وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ"

پھر آپ فرماتے ہیں کہ حواس خمسہ کے علاوہ بھی ایک قوت ہے جو خالص رُوحانی ہے اور ایک حالت انتزاعی ہے جس کے ذریعہ سے تجلی ربّانی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ریت کے ذرّوں کی طرح بے شمار ہیں اور اُس کی قوتوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے اور اگرچہ اُس کی قوتیں اور اُس کے نام ظاہر میں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں مگر درحقیقت وہ مختلف نہیں ہیں، ایک ہی قوت کے مختلف مظہر اور مختلف نام ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قہار ہونا بھی رحمت سے خالی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بنیادی طور پر رحمٰن و رحیم ہے اور اس کی دی ہوئی ہر سزا میں ایک جزا پوشیدہ ہے"

آپ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو سمجھنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپکو سمجھنے کی کوشش کرے۔ جس نے خود کو سمجھ لیا وہ خدا تعالیٰ کو بھی سمجھ لے گا۔

میرے خیال میں حضرت ابن العربیؒ کا یہ قول

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی تشریح معلوم ہوتی ہے جس میں حضور ؐ نے فرمایا ہے کہ :-

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"

پھر حضرت ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ جس انسان کو یہاں کچھ نظر نہیں آتا اُسے وہاں بھی کچھ نظر نہیں آئے گا۔ یعنی جس نے یہاں مظاہر قدرت میں خدا تعالیٰ کو جلوہ گر نہیں دیکھا ہے وہ وہاں بھی خدا تعالیٰ کی تجلی سے محروم رہے گا۔ (بحوالہ فصوص الحکم)

وحدت وکثرت کے متعلق حضرت ابن العربیؒ کا نظریہ

وحدت وکثرت کے متعلق بھی حضرت ابن العربیؒ کا نظریہ حیران کُن ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حقیقی معنوں میں وہی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے وہی واقعی سمیع و بصیر ہے۔ ہماری قوتِ سمع وبصر فریب ہے۔ تمام اشیاء کی حقیقت ایک ہے۔ خود حقیقت خالق و مخلوق ایک ہے۔ کثرت وہی ہے جو وحدت ہے اور وحدت وہی ہے جو کثرت ہے (بحوالہ فص ادریسیہ از فصوص الحکم)

پھر آپ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا مظہر قدرتِ خداوندی ہے۔ وہ ذرّہ ذرّہ میں جلوہ گر ہے۔ اعیانِ ثابتہ اصطلاحی معانی میں مخلوق ہیں لیکن وہ عین حق ہیں۔ مخلوق خالق سے علیحدہ کوئی قائم بالذات شے نہیں ہے۔ جب کوئی ایک شے دوسرے میں نفوذ کرتی ہے تو در اصل ایک شے دوسری شے میں چھپ جاتی ہے۔ خدا کو ہم اُس کی صفات اور مخلوق کے ذریعہ ہی پہچانتے ہیں۔ امام غزالیؒ کا یہ کہنا کہ اُسے بغیر مخلوق کے بھی پہچانا جا سکتا ہے غلط ہے۔ وہ خدا جو ہمارے سوا اس کے ذریعہ اپنی ذات سے پہچانا جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا ہمیشہ تخلیق میں مصروف رہتا ہے اور ایک سے ایک نئی مخلوق پیدا کرتا رہتا ہے تاکہ اس کی قدرتِ کاملہ عیاں اور ظاہر ہو جائے اور وہ ہر رنگ میں پہچانا جائے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ "انسان کو انسان کے سایہ سے اور عالَمِ صغیر کو عالَمِ کبیر سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا" ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ ہم انسانوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ خدا جن کی آنکھ بن جاتا ہے، کان بن جاتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہے"

حضرت ابن العربیؒ مزید فرماتے ہیں کہ وحدت و کثرت ذاتِ اَحَد کی دو جہتیں ہیں۔ خدا کی وحدت ایک ایسی اکائی ہے جسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ لوگ جو اہلِ بصیرت ہیں خدا کو ہر شے میں جلوہ گر دیکھ سکتے ہیں۔ کوئی شے خدا کے لئے غیر نہیں اسلئے وہ لوگ جو خدا کی بجائے اُوروں کی عبادت کرتے ہیں اصل خدا ہی کی عبادت کرتے ہیں حقیقی شرک کی اس کائنات میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابن العربیؒ کا یہ نظریہ بھی اُن نظریات میں سے ایک ہے جو عام لوگوں کے لئے نہ تو قابلِ فہم ہے اور نہ قابلِ قبول۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ "گناہ قانونِ شریعت

کی خلاف ورزی ہے نہ کہ مشیتِ الٰہی کی۔ ہمارا کوئی فعل مشیتِ الٰہی کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا، صرف قوانینِ شریعت کے خلاف ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شے جو مخلوق ہوتی ہے کلمہ الٰہی ہوتی ہے اور کلمہ فنا نہیں ہوتا" (بحوالہ فص عیسوی از فصوص الحکم)

حضرت ابن العربیؒ کا یہ نظریہ بھی اُن نظریات میں سے ایک ہے جس کو سمجھنا صرف اہلِ بصیرت کا ہی کام ہے، ہر آدمی اس کو سمجھنے کی قابلیت نہیں نہیں رکھتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس بات کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے کہ ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدأ الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

نبوّت و رسالت

حضرت ابن العربیؒ کے ہاں "خیر کثیر" کو چار درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایمان، ولایت، نبوّت اور رسالت۔ ابن العربیؒ کے یہاں شیعہ فلسفے کی طرح ولایت کا درجہ نبوت سے بڑا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر نبی لازمی طور پر ولی بھی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا۔ ولایت خدا کا قرب اور دوستی ہے جس کا ذریعہ عرفانِ الٰہی ہے۔ ہر ولی ذاتِ خداوندی اور بہت احدیت سے باخبر ہوتا ہے۔ نبوت کوئی اکتسابی شے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔

اِس ولایت و نبوّت کے فرق سے یہ صورتِ حال پیدا ہوئی کہ بعض صوفیائے کرام نے نبی اور رسول سے بھی اعلیٰ تر اور افضل تر ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ وہ علم جو ہم کو دیا گیا ہے پیغمبروں کو بھی نہیں دیا گیا اور اس کے لئے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کی مثال کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

وحی

حضرت ابن العربیؒ نے الہام اور وحی کی بہت سی قسمیں بیان کی ہیں۔ خود قرآن کریم کی روشنی میں وحی انسانوں کو بھی ہوتی ہے اور جانوروں کو بھی۔ مَردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی۔ جانوروں میں چیونٹی اور شہد کی مکھی، عورتوں میں حضرت مریم اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن یہ وحی وہ نہیں جو پیغمبروں کو ہوتی ہے اور اگر ایسا ہوتا تو عورتیں ضرور پیغمبر ہوتیں۔ جانوروں میں یہ وحی وحی نہیں ہوتی بلکہ اسے دوام ہوتا ہے مثلاً شہد کی مکھی اور چیونٹی کو بذریعہ وحی ابتدائے آفرینش میں ایک ایسا شعور عطا کر دیا گیا جس کے ذریعہ وہ قیامت تک ایک خاص دائرۂ عمل میں مصروف رہے گی۔ شہد کی مکھی کا چھتا بنانا، پھولوں کے رس سے شہد تیار کرنا، اپنی ملکہ چُننا، چیونٹیوں کا ایک نظام قائم کرنا، غلہ جمع کرنا، ڈیوٹیاں تقسیم کرنا، ایک خاص نسل کی چیونٹیوں پر مشتمل فوج بنانا،

یہ سب اُنہوں نے اُس وحی کے ذریعہ سیکھا تھا جو انکی پیدائش کے وقت اُن کو ہوئی۔ جانوروں کی وحی وقتی یا زمانی نہیں ہوتی اور بار بار نہیں ہوتی۔ عورتوں کو جو ہدایات ملتی رہیں وہ وقتی اور زمانی ہونے کے علاوہ کسی فوری ضرورت سے تعلق رکھتی تھیں لیکن نبیوں کو جو وحی کی گئی وہ خود اُن کی ذات کی بجائے دوسرے لوگوں کی حالت، اخلاق اور خیر و شر سے تعلق رکھتی تھی۔ اس میں ایک وہ وحی تھی جو قانون بن جاتی تھی اور اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ لیکن دوسری قسم وہ تھی جو اس سے پہلے کی وحی کی تجدید اور ترویج کرتی تھی اور یہ نبوت غیر تشریعی کہلاتی ہے۔ الشیخ الاکبر فرماتے ہیں کہ وحی کے ذرائع مختلف ہوتے ہیں۔ سچے خواب بھی وحی کی ایک قسم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعثت سے پہلے سچے خواب آیا کرتے تھے۔

(بحوالہ فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۳۰)

ختم نبوت و ختم رسالت

جماعت احمدیہ حضرت ابن العربی ؒ کی خاص طور پر ممنون ہے کیونکہ آپ نے آج سے تقریباً ۸ سو سال قبل ختم نبوت کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ جماعت احمدیہ کے موقف کا مؤید ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

وھٰذا معنی قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم اِنَّ الرِّسالة و النبوّة قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبیّ ای لا نبیّ بعدی یکون علیٰ شرعٍ یخالف شرعی بل اذا کان یکون تحت حکم شریعتی۔ (بحوالہ فتوحات مکیہ)

یعنی یہی معنی حدیث ان الرّسالة والنبوّة قد انقطعت اور لا نبیّ بعدی کے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر عمل کرتا ہو۔ ہاں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے حکم کے تحت ہو کر آئے تو پھر نبی ہو سکتا ہے"

پس حضرت ابن العربی ؒ نبوت و رسالت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں مگر صرف بحیثیت نبوت تشریعی۔ یعنی اب اُن کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آسکتی۔ مگر ایسا نبی آسکتا ہے جو اُن کی لائی ہوئی شریعت کی تجدید کرے۔ اس نبی کا اکتساب ذاتی اور بلا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہوتا ہے اور یہی جماعت احمدیہ کا مسلک ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ؎

اس نور پہ فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

مندرجہ بالا سطور میں حضرت ابن العربیؒ نے ختم نبوت کے مفہوم کی جو تشریح کی ہے وہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ آپ نہ صرف عارف باللہ تھے بلکہ علمی تحقیق و تدقیق میں بھی آپ کو ایک بلند مقام حاصل تھا۔

حضرت ابن العربی کے بعض اقوال

اہل حق کے منہ سے بلا مبالغہ پھول جھڑتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اندر نہ مرجھانے کی خاصیت رکھتے ہیں اُن کی خوشبو سے دل و دماغ معطر ہوتے ہیں۔ پس میں ان میں سے بعض کو احباب کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں :-

۱۔ اگر تجھ سے کسی سوال کا جواب نہ بن پڑے تو خاموش رہ۔ ممکن ہے اسے تیرے جواب کی ضرورت نہ ہو۔
۲۔ جہاں تک ممکن ہو شک و شبہ سے بچو۔
۳۔ ان لوگوں سے ہوشیار رہو جو علماء کی تحریروں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔
۴۔ اگر کوئی شخص اس بات پر عقیدہ نہیں رکھتا جس پر اس کی جماعت یقین رکھتی ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اس گروہ سے علیحدہ ہو جائے اسلئے کہ ایسی صحبت بڑی زہریلی ہوتی ہے۔
۵۔ کسی آدمی کی سب سے بڑی خوبی اپنے دشمنوں کے ساتھ نرم دلی کا برتاؤ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے دشمنوں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے۔
۶۔ ایک شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اُسے وہ سب کچھ آتا ہو جس کی اس کے مریدوں کو ضرورت ہو۔ شیخ ہونے کے لئے صرف کشف و کرامات کافی نہیں ہوتے۔
۷۔ عبادت کی جان عجز ہے جس طرح ہڈی کے گودے سے اعضاء مضبوط ہوتے ہیں اسی طرح عجز کے گودے سے عبادت میں جان پڑتی ہے۔
۸۔ کوئی شخص اس وقت تک علم کی بلندیوں کو نہیں چھو سکتا جب تک وہ اللہ کے کلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر پوری طرح عمل نہ کرے اور تمام قدیم پیغمبروں کی الہامی تعلیم کا احترام نہ کرے۔
۹۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے قوانین کی نافرمانی کرتا ہے اُسے کبھی حقیقی عزت حاصل نہیں ہوتی چاہے اُس کی شہرت آسمانوں کو چھوتی ہو۔
۱۰۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے سوا کسی کی بلا سوچے سمجھے تقلید کی اجازت نہیں دی چاہے وہ کتنے ہی بڑے مفسر محدث اور فقیہہ کیوں نہ ہوں۔

ابن العربیؒ کے متعلق آراء

میں نے اپنے مضمون کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن العربیؒ کے متعلق خود مسلمانوں میں دو قسم کے خیال پائے جاتے ہیں۔ یعنی بعض ان کو عظیم ترین صوفی اور سلطان العارفین کہتے ہیں اور بعض ان کو ملحد اعظم، کافر اعظم اور زندیق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ایک مشہور مستشرق Mr. R.A Nicolson جو اسلامی تصوف پر لکھنے والوں میں ایک بلند مقام رکھتا ہے آپ کے متعلق رقمطراز ہے کہ:-

"ابن عربی کی تحریر بے حد دشوار، ژولیدہ اور ناقابلِ فہم ہے انہوں نے جو کچھ الٰہیات پر لکھا ہے اُسے سمجھنا آسان نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اُسے کما حقہٗ بیان کرنا تو کجا اس کا ایک خلاصہ بھی پیش کرنا مشکل ہے اور یہ کام اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی مستشرق اُن کی تمام تصانیف کو بڑے غور و خوض سے پڑھے اور مستقل اس پر کام کرے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تصوف کے تمام مسائل کو سمجھتا ہو۔ ابن عربی ایک اعلیٰ درجہ کے صوفی اور ماہر علوم دین بھی تھے۔ وہ شرعی زندگی گزارتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عربی ایرانی فلسفے اور تصوف کی تردید کے لئے سب سے زیادہ کوشاں رہے۔ اس کے باوجود ابن عربی فلسفۂ وحدت الوجود کے بانی ہیں اور روحانی معاملات میں مشہور فیلسوف حکیم فیثاغورث کی صدائے بازگشت اُن کے ہاں سنائی دیتی ہے۔ وہ شرعی نقطہ کو قطعی طور پر ترک نہیں کرتے اور معراج میں محمد رسول اللہؐ کو بھی اللہ سے قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی پر ہی رکھتے ہیں۔ اُنکے خیال میں یہ وصل بھی وصل روحانی تھا نہ کہ وصل جسمانی"

شیخ اکبر کی عظمت کی یہ بھی ایک دلیل ہے کہ آپ کے مخالفین کی صفِ اوّل میں امام ابن تیمیہ کا نام ہے اور آپ کے سب سے بڑے مقلد عبد الکریم الجیلی ہیں جنھوں نے "الانسان الکامل" جیسی مشہور و معروف کتاب تصنیف کی ہے۔

ابن العربیؒ کی تصانیف

میں ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت ابن العربیؒ ایک بہت بڑے مصنف بھی ہیں اور یہ کہ آپ نے ۵ سو کے لگ بھگ کتب تصنیف کی ہیں ان کی

اِس بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مولانا جامیؒ نے ان کی کتابوں کی تعداد پانچسو بتلائی ہے اور فیروز آبادی صاحب نے چارسو۔ لیکن خود ابن العربیؒ نے اپنی وفات سے پانچ سال پہلے جو فہرست تیار کی تھی اس کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد دوسَو اسی تھی اگرچہ بقیہ پانچ سال میں آپ نے بعض اور کتب ضرور تصنیف کی ہوں گی۔ بہرحال اس وقت کتب خانوں میں ان کی بیس پچیس کتابوں سے زیادہ موجود نہیں ہیں باقی سب حوادث کی نذر ہو گئی ہیں۔

ابن العربیؒ کی وفات

حضرت ابن العربیؒ نے ۷۸ سال کی عمر پائی اور ۲۸ ربیع الآخر ۶۳۸ھ ہجری کو اس دارِ فانی سے انتقال کیا۔ اِنّا لِلّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔

شیخ نے اپنے دو فرزند چھوڑے جن میں سے ایک زبردست شاعر تھے اور صاحب دیوان بھی۔ دونوں لڑکوں کی قبریں بھی باپ کے قریب ہی جو جبل قاسیون پر موجود ہیں۔

بالآخر میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ میں نے اِس مقالہ کے لئے خلافت لائبریری کی مندرجہ ذیل دو کتابوں سے استفادہ کیا ہے:-

ا - ابن عربی از ابوجاوید نیازی مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔

۲ - مناقب ابن عربی تالیف شیخ ابراہیم بن عبداللّٰہ القاری البغدادی مطبوعہ مؤسسۃ التراث العربی بیروت

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

ادارہ کے ضروری اعلانات

(۱)

الفرقان کا سالنامہ اور معاونین خاص

ماہ دسمبر کا رسالہ الفرقان کا سالنامہ ہوگا جو خاص مضامین پر مشتمل ہوگا انشاء اللہ۔ اس نمبر میں دس دسمبر تک کے پنجسالہ معاونین الفرقان کی مکمل فہرست تحریکِ دعا کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ جو دوست پنجسالہ معاونین میں شامل ہو کر پانچ سال تک رسالہ حاصل کرنے کے علاوہ اعانت کا ثواب بھی حاصل کرنا چاہیں وہ مبلغ چالیس روپے ارسال فرمائیں۔

(۲)

مناظرہ مہت پور

۳۶ سال قبل ضلع ہوشیارپور کے گاؤں مہت پور میں چار مضامین پر شیعہ صاحبان کے علامہ مرزا محمد یوسف صاحب سے خاکسار ابوالعطاء کا تحریری مناظرہ ہوا تھا۔ یہ مناظرہ عرصہ سے نایاب تھا۔ احباب کی طرف سے اس کا مطالبہ ہو رہا تھا اب تھوڑے دنوں تک یہ مناظرہ احباب حاصل کر سکیں گے۔

(۳)

محترم مہاشہ محمد عمر صاحب مرحوم مربی سلسلہ کے حالات

محترم مہاشہ صاحب مرحوم کے عزیز جناب عبدالحمید صاحب نمازی آف لندن انکے حالات کتابی صورت میں شائع کرنا چاہتے ہیں اسلئے احباب سے درخواست ہے کہ محترم مہاشہ صاحب کے حالات اور انکی تبلیغی مساعی کے متعلق اپنے تاثرات ادارہ الفرقان ربوہ کو بھجوا کر ممنون فرمائیں۔

(ابوالعطاء)

ایڈیٹر کی ڈاک

انڈونیشیا سے ایک مخلصانہ مکتوب

{ سلسلہ احمدیہ کے ایک مخلص عالم اور مبشر اسلام جناب صالح الشیبی کا گرامی نامہ درج ذیل ہے احباب جملہ مبلغین کے ساتھ عزیزم صالح الشیبی کو اپنی دعاؤں میں خاص طور پر یاد فرمائیں ـــــ خاکسار ابو العطاء }

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ۔ نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔ وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

بخدمت مکرم استاذی العزیز مولانا ابو العطاء صاحب فاضل دام عمرہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الفرقان جس کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے کا شمارہ جولائی و اگست ابھی ملا سب سے پہلے "حیاۃ ابی العطاء" پڑھنے لگ گیا ۔ آپ کی علالت کے حالات پڑھ کر بڑا گہرا صدمہ ہوا ۔ دردِ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر شر سے محفوظ رکھے آپ کی عمر اور صحت میں برکت ڈالے اور ہر کام میں مددگار ہو آمین مگر اس سے قبل علم نہ تھا کہ آپ علیل تھے لیکن خدا کا فضل ہے تقریباً بلا ناغہ آپ کے لئے دعا کرنے کی توفیق ملتی ہے ۔ آپ کی یاد تازہ رہتی ہے ۔ خاص کر آجکل رمضان شریف کے دن ہیں دوستوں کے ساتھ مل کر اجتماعی دعا باقاعدہ ہوتی ہے ۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ العزیز اور آپ اور دیگر بزرگوں کیلئے دعا کی جاتی ہے ۔ جمعہ کے دن بھی دعا کی تحریک کی جاتی ہے ۔

آپ کی یاد تازہ رہنے کی ایک یہ وجہ ہے کہ الفرقان تقریباً روزانہ زیر مطالعہ رہتا ہے ۔ گو سو فیصد پاس نہیں لیکن خدا کے فضل سے خاکسار کی کتابوں میں الفرقان سب سے بڑا ذخیرہ ہے ۔ جب خاکسار انڈونیشین ایمبیسی نئی دہلی سے منسلک تھا خاکسار نے الفرقان کے پرانے شمارے منگوالئے ۔ چنانچہ ۱۹۵۲ء کے ایشو سے لیکر آجتک الفرقان ہر سال کی الگ الگ جلدوں میں محفوظ ہیں اور ہمیشہ زیر مطالعہ رہتے ہیں تبلیغی زمانہ کے اس دس بارہ برس کے عرصہ میں خاکسار کی پانچ دفعہ تبدیلی ہوئی ۔ سب سے پہلے خاکسار نے سراباپا شہر میں کام کیا تھا ۔ اسی شہر میں خاکسار کی پرائیویٹ لائبریری بن گئی جس میں دو اڑھائی صد عدد مختلف قسم کی کتابیں مختلف زبانوں میں موجود تھیں ۔ تبدیلی ہوتے وقت اتنی کتابیں ساتھ لیجانا ناممکن تھا اور کتابوں کے بغیر ہم تبلیغ بھی نہیں کر سکتے اسلئے صرف چند ضروری کتابیں لیجا سکتا ہوں ۔ بہرحال الفرقان کی اکثر جلدیں خواہ کچھ بھی ہو ضرور لیجاتا ہوں کیونکہ خاکسار کیلئے الفرقان انسائیکلوپیڈیا کا کام دیتا ہے اور الفرقان سے جدا ہونا ناممکن بات ہے ۔ تجربہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ الفرقان مبلغ کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے ۔ نہ صرف دشمنوں کے مقابلہ کے لئے ضروری ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کی صداقت اور ان سے محبت پیدا کرنے کا بھی موجب بنتا ہے ۔

انڈونیشیا میں بھی عیسائیت کا زور ہے۔ جاکرتا میں فار ایسٹ براڈ کاسٹ کمپنی کا مرکز ہے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے پاس بڑا روپیہ ہے۔ ۱۹۶۶ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک اُن کا پادری ٹیلر جرأت اور قیاعانہ طریق سے ”سوال و جواب الکتاب کے دلائل سے“ کے عنوان کے تحت جاکرتا کے روزناموں میں بڑے بڑے اشتہار شائع کرتا رہا اور تحدی کے ساتھ لکھتا رہا کہ جس نے سوال کرنا ہے کر لے۔ صرف خدا کے فضل سے ماہنامہ الفرقان اور مناظرہ مصر کی مدد سے خاکسار نے تحریری مقابلہ کیا اور اسے لاجواب کر دیا۔ اب جبکہ اس نے کئی خطوط کا جواب نہیں دیا مذکورہ خط و کتابت کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر شائع ہونے والی ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ پادری ٹیلر کو کھُلی دعوت ہے کہ اس کتاب کا جواب دے۔ دوسرے دلچسپی لینے والوں کے لئے بھی دعوت دی ہے کہ اس کتاب کا رد کریں۔ انشاء اللہ العزیز یہ کتاب عنقریب چھپے گی۔

مکاسر شہر میں یہ رواج ہے کہ رمضان کے دن ہر مسجد بلکہ بعض دفاتر میں اور سکولوں میں وسیع پیمانہ پر صلوٰۃ تراویح کا اہتمام کیا جاتا ہے اور باری باری مبلغین اور مختلف علماء کو دعوت دی جاتی ہے کہ نماز پڑھا کر لیکچر بھی دیں۔

خاکسار کے لئے مکاسر شہر میں یہ دوسرا رمضان ہے۔ گزشتہ رمضان میں خاکسار کو ستائیس دعوت نامے ملے۔ اس سال جبکہ آج پانچواں روزہ ہے خاکسار کو آٹھ دعوت نامے مل چکے ہیں الفرقان سے ہی مواد حاصل کر کے خاکسار مختلف مسجدوں اور نماز گاہوں میں لیکچر دیتا ہے۔ خدا کا فضل ہے کہ وہ مواد جو لیکچرز کے رنگ میں سامعین اور حاضرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے نہایت مقبول ہوتا ہے۔ آخر یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کا کلام پاک ہی ہے جو دوسرے لوگ پیش نہیں کر سکتے۔

مختصر یہ ہے کہ الفرقان میں آپ کے ہاتھ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت ڈالی ہے اور جو فائدہ پڑھنے والے اس سے اُٹھاتے ہیں ہم بیان نہیں کر سکتے اور بیان نہ کرنے سے دُعا ہی دُعا نکلتی ہے، جو بسا اوقات آنکھ کے آنسوؤں سے مل کر نہایت خشوع والی دُعا ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور لمبی عمر و باعمل زندگی عطا کرے تاکہ ہم آپ کے وجود سے مزید فائدہ اٹھا سکیں اور الفرقان ہمیشہ ہمیش کے لئے زندہ رہے آمین۔ دُعا کی درخواست عرض ہے کہ ہم گناہ گاروں کو بھی سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے آمین۔

مکاسر ۲۵ ر اخاء ۱۳۵۰ ہش
۵ ر رمضان ۱۳۹۱ ھ

آپ کا شاگرد
صالح الشیبی المہدی

وصایا

مسل ۲۰۴۹۳ مَیں غلام محمد ولد فقیر محمد صاحب قوم وریاہ پیشہ سبزی فروش عمرہ ہ سال پیدائشی احمدی ساکن ربوہ ضلع جھنگ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۳-۴-۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اس وقت کوئی نہیں میرا گزارہ ماہوار آمد پر ہے جو اس وقت -/۵۰ روپیہ ہے مَیں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا جو بھی ہوگی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کرتا ہوں اور اگر کوئی جائداد اسکے بعد پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی نیز میری وفات پر میرا جو ترکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ہوگی۔ میری یہ وصیت تاریخ تحریر سے نافذ فرمائی جائے۔ العبد غلام محمد ولد فقیر محمد دارالرحمت غربی ربوہ۔ گواہ شد محمد حسین ولد مہتاب الدین گولبازار ربوہ۔ گواہ شد حافظ مبین الحق شمس گولبازار ربوہ۔

مسل ۲۰۵۱۵ مَیں منور احمد ولد جلال الدین صاحب قوم ارائیں پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴-۴-۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائداد اسوقت کوئی نہیں میرا گزارہ ماہوار آمد پر ہے جو اسوقت -/۲۹۰ روپیہ ہے مَیں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا جو بھی ہوگی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کرتا ہوں اور اگر کوئی جائداد اسکے بعد پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی نیز میری وفات پر میرا جو ترکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ہوگی میری یہ وصیت تاریخ تحریر سے نافذ فرمائی جائے۔ العبد منور احمد کرشن نگر لاہور حال چک 23/A-B کریالہ الاضلع لائلپور۔ گواہ شد عبد اللطیف سنکوہی صدر حلقہ کرشن نگر لاہور [illegible]

اسلام کی روز افزوں ترقی کا آئینہ دار

ماہنامہ تحریک جدید ربوہ

آپ خود بھی یہ ماہنامہ پڑھیں

اور

غیر از جماعت دوستوں کو پڑھائیں

چندہ سالانہ صرف دو روپے!

(مینجنگ ایڈیٹر)

روزنامہ الفضل ربوہ

الفضل ہمارا، آپ کا اور سب کا اخبار ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے اقتباسات، حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کے روح پرور خطبات، علماء سلسلہ کے اہم مضامین، بیرونی ملکوں میں جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کی تفاصیل اور اہم ملکی اور عالمی خبریں شائع ہوتی ہیں۔

آپ خود بھی یہ اخبار پڑھیں

اور دوسروں کو بھی مطالعہ کے لئے

دیں۔ اس کی توسیع اشاعت

آپ کا جماعتی فرض ہے۔!

(مینجر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

(تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں)

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

فون فیکٹری - ۲۹۴۶ فون آفس - ۴۲۶۱

فون دکان - ۲۴۸۳ فون ہاؤس - ۲۳۵۴

★ ہم اپنے کرم فرماؤں سے گزارش کرتے ہیں کہ پارچات خریدتے وقت سفینہ پرنٹنگ کے پارچات طلب فرمائیں۔

★ سفینہ پرنٹنگ کے پارچات واقعی دلفریب ہیں جو ڈیزائننگ میں لاجواب اور رنگوں میں جاذب نظر ہیں۔

سفینہ

پرنٹنگ اینڈ ڈائنگ ورکس

مقبول روڈ۔ لائلپور

والسلام
خاکسار
داؤد احمد شاکر
معتمد مجلس
مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور شہر

برانچ آفس

عبداللہ کلاتھ ہاؤس ریل بازار۔ لائلپور

ہر قسم کا سامانِ سائنس

واجبی نرخوں پر خریدنے کے لئے

الائیڈ سائنٹیفک سٹور

گنپت روڈ لاہور

کو

یاد رکھیں

لیوکوریا کی اکسیر دوا

کائیران

لیوکوریا کیلئے یہ ایک اکسیر دوا ہے کہ رحم اور متعلقہ اعضاء کے ہر قسم کے ورم اور زخم کو رفع کرکے اس موذی مرض سے بکلی نجات دیتی ہے۔ خون صالح پیدا کرکے جسمانی اور اعصابی کمزوری دور کرتی ہے۔ بانجھ پن، اٹھرا، بار بار کے اسقاطِ حمل، ایام کی تکلیف اور بے قاعدگی کیلئے نہایت مفید ہے۔ دیرپا استعمال سے رحم کی رسولی تحلیل ہو جاتی ہے ہر عمر اور ہر حالت میں استعمال مفید ثابت ہوتا ہے۔ قیمت ۳۰ گولی ۲ روپے ۲۵ پیسے۔ ۵۰ گولی ۳ روپے ۲۵ پیسے۔ صبح دوپہر شام ایک ایک گولی کھانا کھانے کے بعد

ملنے کا پتہ:۔ ڈاکٹر بشیر احمد۔ گول بازار۔ ربوہ

سرزمینِ قادیان کا اوّلین دواخانہ

جسے ۱۹۱۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اپنے مبارک ہاتھوں قائم فرمایا

دوائی خاص زنانہ امراض کا واحد علاج دو اوقس کی قیمت چھ روپے	قدیمی ــــ اوّلین ــــ شہرۂ آفاق **حبّ اٹھرا رجسٹرڈ** مکمل کورس بیس روپے	**زدجام عشق** طاقت کی لاثانی دوا قیمت ۶۰ گولی سولہ روپے
حبّ مفید النساء بے قاعدگی کا بہترین علاج پانچ روپے	**ہمارا اصول** ● صاف ستھرے اجزاء ● دیانتدارانہ دوا سازی ● عمدہ پیکنگ ● غریبانہ قیمت ● مخلصانہ مشورہ	**نرینہ اولاد گولیاں** انعام خداوندی قیمت فی کورس پندرہ روپے
حبّ مسان سوکھے کی مجرب دوا تین روپے	اور اسی اصول کے تحت ۱۹۱۱ء سے آپ کی خدمت کرتے چلے آرہے ہیں۔ **حکیم نظام جان اینڈ سنز چوک گھنٹہ گھر گوجرانوالہ** بالمقابل ایوانِ محمودؓ۔ ربوہ	**معین الصحت** تلی، بھوک، خرابی جگر اور یرقان کا علاج پانچ روپے

الفردوس

انارکلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دکان ہے

الفردوس

۸۵- انارکلی- لاہور

مفید اور مؤثر دوائیں

نور کاجل

ربوہ کا مشہور عالم تحفہ

آنکھوں کی صحت اور خوبصورتی کیلئے نہایت مفید

خارش، پانی بہنا، بھینی، ناخنہ، ضعفِ بصارت وغیرہ امراض چشم کے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ متعدد جڑی بوٹیوں کا سیاہ رنگ کا جوہر ہے جو عرصہ ساٹھ سال سے استعمال میں ہے۔

خشک و تر- فی شیشی سوا روپیہ

تریاقِ اٹھرا

اٹھرا کے علاج کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بہترین تجویز جو نہایت عمدہ اور اعلیٰ اجزاء کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

اٹھرا بچوں کا مُردہ پیدا ہونا، پیدا ہونے کے بعد جلد فوت ہو جانا یا چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا یا لاغر ہونا، ان تمام امراض کا بہترین علاج۔

قیمت پندرہ روپے

خورشید یونانی دواخانہ رجسٹرڈ

گول بازار ربوہ- فون نمبر ۳۸

(طابع و ناشر:- ابوالعطاء جالندھری؛ مطبع:- ضیاء الاسلام پریس ربوہ؛ مقامِ اشاعت:- دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

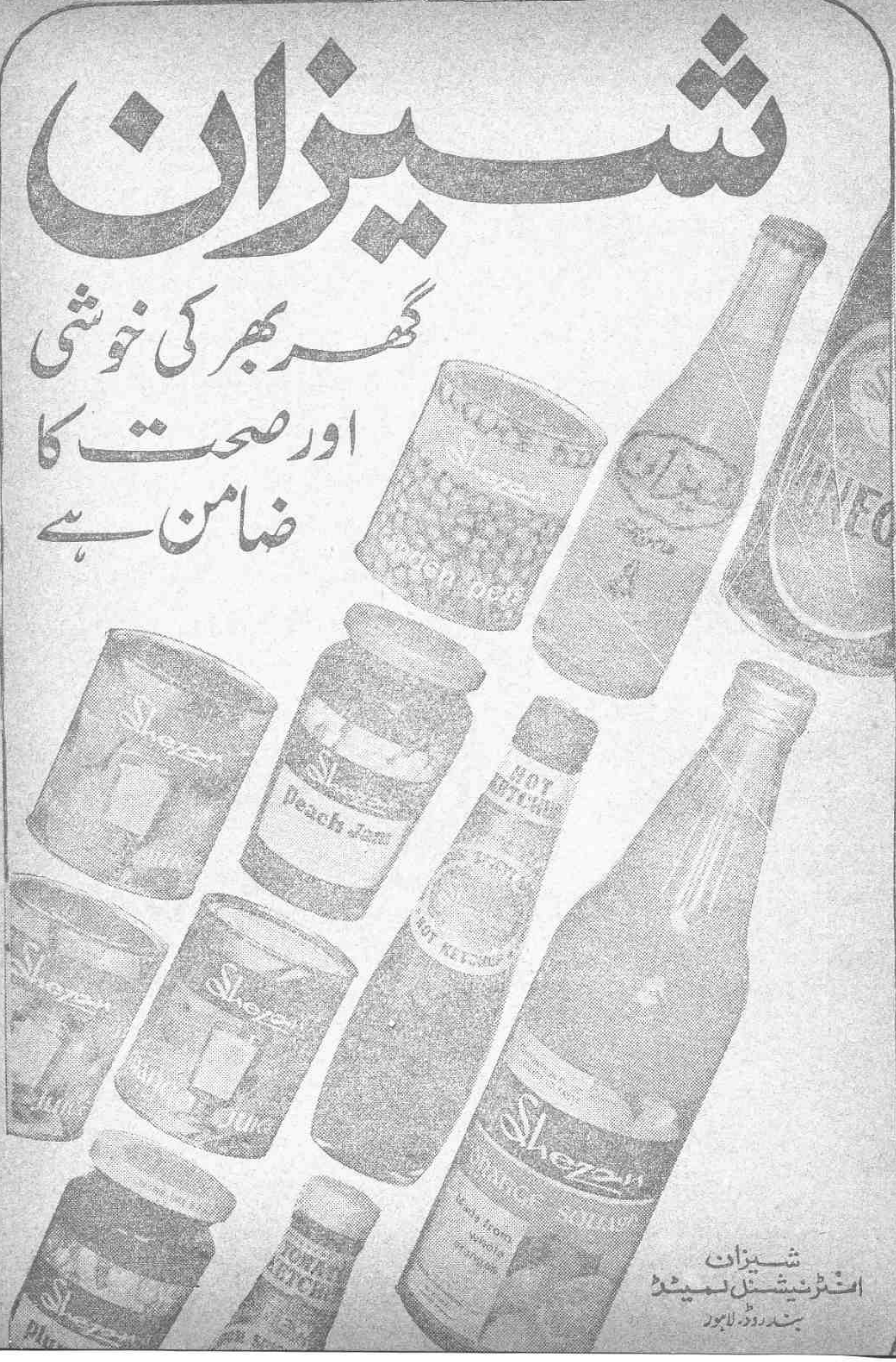

شیزان
گھر بھر کی خوشی
اور صحت کا
ضامن ہے
Shezan
Peach Jam
HOT KETCHUP
شیزان
انٹرنیشنل لمیٹڈ
بندر روڈ۔ لاہور

★ مکتبہ الفرقان کی نہایت مفید کتابیں ★

(۱) **تفہیمات ربانیہ:** جس میں مخالفین سلسلہ کے جملہ اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ صرف چند نسخے باقی ہیں۔　　قیمت تیرہ روپے

(۲) **تحریری مناظرہ (تردید عیسائیت):** عیسائی پادری عبدالحق صاحب اور سلسلہ احمدیہ کے مناظر کے درمیان الوہیت مسیح پر تحریری مناظرہ ہے جس میں دوسرے پرچہ کے بعد ہی پادری صاحب لاجواب ہو کر عاجز آگئے۔ قابل مطالعہ ہے۔　　(قیمت ڈیڑھ روپیہ)

(۳) **بہائی شریعت پر تبصرہ:** بہائیوں کی اصل شریعت مع اردو ترجمہ و تبصرہ　　(قیمت ڈیڑھ روپیہ)

(۴) **کلمۃ الحق:** خلافت راشدہ پر تحریری مناظرہ جس میں اہلسنت والجماعت کی طرف سے حضرت حافظ روشن علی صاحب رضؓ مناظر تھے۔　　(قیمت پچھتر پیسے)

(۵) **القول المبین فی تفسیر خاتم النبیین:** جناب مودودی صاحب کے رسالہ کا مکمل لاجواب جواب ہے۔　　(حجم ۲۵۰ صفحات قیمت دو روپے)

(۶) **مباحثہ مصر** (انگریزی): عیسائی پادریوں سے احمدی مبلغ کا شاندار مناظرہ　　(قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے)

(۷) **نبراس المومنین:** رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۰۰ احادیث کا سلیس ترجمہ و تشریح۔　　(قیمت صرف پچاس پیسے)

(۸) **کلمۃ الیقین:** ختم نبوت کی مختصر صحیح تشریح۔　　(قیمت صرف بارہ پیسے)

(۹) **الفرقان کا درویشان قادیان نمبر:**　　(رعائتی قیمت پچھتر پیسے)

(۱۰) **ماہنامہ الفرقان کے سالانہ مجلد مکمل فائل ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۰ء تک**
(ہر سال کے علیحدہ علیحدہ)　　(قیمت ہر مجلد نو روپے)

نوٹ: محصول ڈاک خریدار کے ذمہ ہوتا ہے۔

مینجر مکتبہ الفرقان ربوہ

Only Title printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.